بسلسلہ مشکوٰۃ نبوت

جلد اول

اصلاحی دروس

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

- ایمان زندگی کیلئے ناگزیر ضرورت
- ایمان کامل کے تقاضے
- رمضان المبارک کی اہمیت آداب و معمولات
- تجلیات ذکر
- نماز دنیا و آخرت کی کامیابی کا زینہ

اصلاحی دروس

اللهم

صل علی محمد و علی آل محمد

کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم

انک حمید مجید

اللهم

بارک علی محمد و علی آل محمد

کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم

انک حمید مجید

بسلسلہ مشکوٰۃ نبوتؐ

اصلاحی دروس

جلد اول

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد المؤمنین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

نام کتاب:۔ اصلاحی دروس جلد اول

افادات حضرۃ مولانا عبد الواحد صاحب رحمہ اللہ

ترتیب وتزئین حضرت مولانا مفتی عاصم عبد اللہ صاحب

باہتمام:۔ عاصم برادران سلمہم الرحمٰن

صفحات:۔ 360

سن طباعت:۔ مارچ 2017

تعداد:۔ 1,100

قیمت:۔

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

asim@JamiaHammadia.com

www.JamiaHammadia.com

اجمالی فہرست

اصلاحی دروس

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے پروردگار کا کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حماد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ وبانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی) کے بیانات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، رسائل کی شکل میں شائع ہورہے ہیں۔ اب ان رسائل کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس کی جلد اول آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

پھر میں خصوصی شکر گزار ہوں استاد العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس سرہ) کا جنہوں نے اس کام میں میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر موقع پر مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر ہمارے اوپر قائم رکھے آمین،

آخر میں میں اپنے ان محبین ومخلصین دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی طور پہ شریک ہوئے اور میرے ساتھی ومعاون بنے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔

محتاج دعا: عاصم عبداللہ

تفصیلی فہرست

ایمان زندگی کیلئے ناگزیر ضرورت

ایمانِ کامل کے تقاضے

رمضان المبارک کی اہمیت، آداب و معمولات

تجلیاتِ ذکر

دُعا دُنیا و آخرت کی کامیابی کا زینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل کی بات

عاصم عبداللہ بن حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ ملک اور بیرون ملک کی ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت تھے، اور ملک کی مشہور دینی درسگاہ "جامعہ حمادیہ" شاہ فیصل کالونی کراچی کے بانی و مہتمم کے علاوہ کئی مدارس و مساجد کے سرپرست بھی رہے بحمداللہ اہل علم میں ایک خاص مقام تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کا شمار شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد خاص اور قطب الاقطاب حضرت حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اور اخص الخاص خلفاء میں ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ جب تک اس دنیاء فانی میں رہے تواضع اور اخفاء کے ساتھ رہے لیکن اس کے باوجود کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت، شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر فائز فرمایا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو درس قرآن اور درس حدیث

اور دیگر اصلاحی موضوعات پر بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا، آپ کا یہ بیان جامعہ حمادیہ میں ہو یا جامع مسجد حفیظیہ میں یا علاقے اور شہر کی کسی مسجد میں ہو، یا کسی عام جگہ پر ہو لوگ دور دور سے ان بیانات کو سننے کیلئے آتے تھے۔

آپ کے یہ بیانات عوام اور خواص دونوں کے لئے تریاق ثابت ہوا ہے اور اس سے سینکڑوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں آئیں جن کے چہروں پر داڑھیاں نہ تھیں انہوں نے سنت کے مطابق داڑھی رکھ لی اور حرام آمدن والوں نے حلال ذرائع آمدن اپنا لئے، جن کا گھریلو ماحول بے دینی کا تھا، انہوں نے اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش شروع کردی اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینی شروع کردی۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی بات سننے والوں کے دل میں اترتی چلی جاتی تھی سننے والا اپنے اندر ایمانی حلاوت محسوس کرتا تھا حضرت والد صاحبؒ کے بیانات میں جو تاثیر تھی اور جو خیر و برکت تھی اسکی ایک وجہ تو حضرت والد صاحبؒ کی للّٰہیت اور خلوص تھا اور دوسری وجہ الفاظ میں نہ کوئی تصنع اور نہ کوئی بناوٹ سہل ترین الفاظ آپکے بیانات کا حصہ ہوتے تھے۔

بعض احباب حضرتؒ کی ان تقاریر کو کیسٹ میں محفوظ کر کے مستفید ہوتے رہے الحمد للہ ان کیسٹوں کا خاطر خواہ ذخیرہ محفوظ ہے، جسے کمپیوٹر میں بھی محفوظ کیا جا چکا ہے ،اور اب بحمد اللہ اصلاح و تربیت کا یہ عظیم خزانہ کاغذوں پر بھی منتقل کیا جا رہا ہے۔

جب یہ تحریری افادات سینکڑوں صفحات میں محفوظ ہوگئے تو حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے بہت سے قریبی احباب نے باصرار مشورہ دیا کہ ان افادات کو جو مختلف موضوعات پر ہیں عنوانات کے تحت مرتب کر کے رسائل کی صورت میں شائع کیا جائے تا کہ ان کا فائدہ عوام الناس کو پہنچے، مجھے انکی رائے بہت پسند آئی، پھر اس پر دلجمعی کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا۔

بحمد اللہ ہر سال تقریباً پانچ سے چھ کتابچے تیار ہو کر چھپ کر منظر عام پر آ جاتے ہیں، متعدد کتابچے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں اول تا آخر خود ملاحظہ فرمائے، خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، دل سے پر خلوص دعاؤں سے نوازا، وہی دعائیں آج میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

فی الحال حضرت نور اللہ مرقدہ کے درسِ حدیث کے سلسلے ''مشکوٰۃ نبوت'' کو جو ماہنامہ الحماد میں ہر ماہ شائع ہوتا رہا موضوع کی مناسبت سے ''کریمی دار الکتب'' کی طرف سے اِسے کتابچے شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بحمد اللہ اب تک تین درجن سے زائد کتابچے شائع ہو چکے ہیں جو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

اب محبین و مخلصین کے اصرار پر ان مطبوعہ رسائل کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بنام'' اصلاحی دروس'' شائع کر رہے ہیں، جس کی جلد اول پیش خدمت ہے۔ دوسری جلد کیلئے بھی

کام شروع کر دیا گیا ہے جس کی تکمیل کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ امت کو اس مفید سلسلے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونیکی توفیق عطا فرمائے ، اور ہماری مغفرت ونجات اور حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عاصم عبداللہ

استاد ومفتی جامعہ حمادیہ کراچی

۱۶ / جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ

مطابق ۱۵ / مارچ ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش تحریر

استاذ العلماء والمشائخ، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹہ سندھ

خلیفہ مجاز

حضرت اقدس، ولی کامل، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد!

ہمارے شیخ، مرشد الامہ، مصلح الکل، فنافی اللہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت اقدس مولانا عبدالواحد رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ونور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت، کتاب وسنت کی اتباع واطاعت علوم دینیہ کی نشرواشاعت اور اصلاح امت کے لیے وقف تھی۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، دفتر میں، گھر میں، عوام میں، خواص میں، خلوت میں، جلوت میں الغرض ہر حال و ہر مقام پر کتاب وسنت پر عمل اور خلقت الٰہی کی کتاب وسنت کی طرف رہنمائی آپؒ کا محبوب وحسین شغل تھا۔ شہرت جاہ، ریا اور دکھلاوے سے شدید نفرت اور گمنامی تواضع، انکساری سے رغبت کی وجہ سے آپؒ کے فیض ومعرفت کو عام کرنا اور مشہور کرنا آپؒ کی حیات طیبہ میں محال وناممکن اقدام تھا۔

آپؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے، آپؒ کے علم وعمل کے نمونے، آپؒ کی حسن تربیت کے حسین شگوفے آپؒ کے شرعی، قانونی وارث وجانشین حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب زید مجدھم وبورک فی علمھم وعملھم نے 1995ء سے آپؒ کی مشروط ومحدود اجازت کے ساتھ آپؒ کے درس قرآن درسِ حدیث، جمعے کے بیانات اور اصلاحی مجالس کے مواعظ وتقاریر کو محفوظ کرنے اور مضامین کی شکل میں ماہنامہ الحماد، اور مستقل رسائل کی زینت بنانے کے کارِ خیر کا آغاز فرمایا۔ حضرتؒ نے محتاط طریقہ سے بذات خود نظر ثانی فرمانے کے بعد شہرت سے نفرت اور ریا کے خوف سے محدود حد میں اجازت عنایت فرمائی، حضرتؒ کے وصال کے بعد مکمل اتفاق ومشاورت اور میرے شدید اصرار کے تحت حضرت مفتی صاحب زید مجدھم کو آپؒ کی مسند خلافت تفویض ہوئی اس کے بعد سے ہر ملاقات میں حضرت مفتی صاحب پر یہ بارگراں اور یہ ذمہ داری ان کے دوش پر ڈالنے کی تاکید کرتا رہا ہوں کہ آپ نے حضرتؒ کے علوم وفیوض کو جاری وساری رکھنا ہے اور جو سلسلہ 1995ء میں سنبھالا اور شروع کیا اسے کما حقہ حیاً ومیتاً باقی رکھنا ہے۔

سلسلے کے تمام معمولات اور حضرتؒ کی حیات کے تمام مشاغل وفیوضات کی بھاری ذمہ داری کے ساتھ آپؒ کے فیوض وعلوم کی امت میں نشر واشاعت میں پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر قدم اٹھانا ہے اور آگے بڑھتے جانا ہے۔ ہماری دعائیں، محنتیں، وسائل اور مشورے آپ کے ہمقدم ہونگے ان شاءاللہ تعالیٰ۔

انتہائی خوشی ومسرت اور حمد وشکر کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحب زید فضلھم نے سلسلے کے معمولات کو کما حقہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدسؒ کے علوم وفیوض کے سلسلہ درسِ حدیث بعنوان ''مشکوٰۃ نبوت'' کے متعدد کتب ورسائل کو حتمی طباعتی مراحل میں لے آئے ہیں۔ الحمدللہ! اس وقت تک سلسلہ مشکوٰۃ نبوت کے متعدد کتابچے چھپ

کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے جانشین وخلیفہ مجاز کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور صلاحیتوں میں ترقی نصیب فرمائے۔

اللهم وفقه لما تحب وترضىٰ من القول والفعل والعمل والنية والاخلاص.

محمد ابراہیم عفی عنہ

(حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم)
شیخ الحدیث ومہتمم
جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ
۲۶ر جمادی الآخری ۱۴۳۷ھ
۰۵ر اپریل ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال وتاثرات

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی ومہتمم جامعہ حمّادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
(جو حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تحریر فرمایا تھا)

اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم، انعام اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس ذاتِ عالی نے بچپن سے دینی ماحول، اور ایمانی مراکز سے میرا رشتہ ناطہ جوڑا، غربت میں رکھا، غریب الوطنی میں پھینکا، تن من دَھن کی آسائشوں سے دور رہا مگر علمِ دین اور دولت ایمان سے آباد جھونپڑی نما خانقاہوں اور مراکزِ تعلیم سے وابستہ رکھا۔ جہاں مادّی وسائل اور آسائشیں نہ ہونے کے باوجود روحانی خوشحالی، سکون اور طمانیت کی وہ دولت میسر تھی جس کے لئے دنیا کے عظیم بادشاہ بھی ترستے اور تڑپتے چلے گئے۔ (والحمدللّٰہ علی ذالک)

دارالعلوم دیوبند سے علمی سفر طے کرتے ہوئے جب ارضِ پاک میں داخل ہوا تو صوبہ سندھ کے ایک دور افتادہ، پسماندہ، گمنام بلکہ بے نام علاقہ ھالیجی شریف کے مقام پر قطب الاقطاب ولی کامل، جنیدِ دوراں حضرت مولانا حمّاد اللہ ھالیجوی قدس اللہ سرّہ العزیز کی قدموں میں جگہ ملی۔ جہاں کے چشمۂ فیض سے سیرابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنادیا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی دین کی خدمت اور دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے وقف ہوگئی۔

الحمدللہ زندگی کے اس دورانیئے میں جامع مسجد حنفیطیہ میں درسِ قرآن ودرسِ حدیث اور اصلاحی مجلسوں اور نماز جمعہ سے قبل بیان کا سلسلہ اس کے علاوہ جامعہ حمادیہ اور علاقے کی دیگر مساجد میں بھی یہ تمام سلسلے جاری رہے، جسے بعض مخلص احباب نے اسے ٹیپ کیا اور پھر ان ٹیپ شدہ تقریروں اور بیانات کو قلم بند کروایا ،اور پھر جب سے جامعہ حمادیہ کا ترجمان ''ماہنامہ الحماد'' کا اجرا ہوا تقریباً دو عشروں سے ماہنامہ الحماد کے کے صفحات پر ان دروس کو مستقل طور پر درسِ قرآن کو (نورِ ہدایت) اور درسِ حدیث کو (مشکوٰۃ نبوت) کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔

اور اب ضرورت اور اسکی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے برخوردار مفتی عاصم عبداللہ سلمہ استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ ودیگر متعلقین نے ''الحماد'' کے صفحات پر شائع شدہ ان مضامین کو کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے کئی کتابچے شائع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں جو میری نظروں سے بھی گزر رہے ہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ برخوردار اور انکے معاونین نے بڑی محنت کی ہے اور ان مضامین میں ذیلی عنوانات لگا کر اسکی افادیت کو بڑھا دیا ہے مقصود فائدہ اور استفادہ ہے، مجھے اور شائع کنندگان کو دین کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا فائدہ ملے گا اور پڑھنے اور مستفید ہونے والوں کو اپنی زندگی دین وشریعت کے مطابق ڈھالنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا عظیم ثمرہ حاصل ہوگا!

دعا ہے کہ جیسا کہا ہے اور نیت کی ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرمادیں اور ہم سب کو اپنی رضا اور اخروی سرخروئی کی دولت مرحمت فرمادیں، اور اللہ تعالیٰ اسے پوری امت کیلئے نافع بنادیں اور اسے شرف قبولیت سے نوازیں۔ (آمین یارب العالمین)۔

وصلی اللہ علی نبیہ خاتم النبین

عبد الواحد

انتساب

اُن عظیم مشفق ومُربی ہستیوں کے نام جو تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمام سنت واطاعت، اصلاح ظاہر وباطن، بے نفسی وفنائیت، اخلاص کامل وللّٰہیت، تفویض وتوکل، عشق رسول ﷺ کے پیکرِ مجسّم اور اکابرین علماء دیوبند کے مسلک اعتدال کی زبانِ ترجمان تھے، یعنی

شیخ العرب والعجم، سیدی وسندی

حضرت مولانا **حسین احمد مدنی** نور اللہ مرقدہٗ

اور مرشدی ومولائی ولی کامل

قطبُ الاقطاب حضرت مولانا

حمادُ اللہ ہالیجوی

رحمهم الله رحمةً واسعةً

ایمان

زندگی کیلئے ناگزیر ضرورت

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

ایمان جنت کا ضامن

مَنْ عَلِمَ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (مسلم)

"جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم. اما بعد!

حقیقت ایمان ایک انقلاب!

آدمی جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مکمل یقین رکھے، اللہ کو اس کی تمام صفات کمال کے ساتھ مانے اور اس کی بتائی ہوئی تمام باتوں (وحی، آخرت، ملائکہ وغیرہ) پر کامل یقین کر کے ان کی تصدیق کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر پوری طرح راضی اور مطمئن ہو جائے تو اسی کا نام ایمان ہے۔

ان چیزوں کو ماننے کی ایک شکل یہ ہے کہ ان کو باپ دادا کی تقلید کے طور پر مان لیا جائے مگر اس قسم کا تقلیدی ایمان وہ ایمان نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اس قسم کا ماننا بالکل بے روح سا ماننا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کے ہاتھ کی چھنگلیاں۔ چھنگلیاں بظاہر انگلی کے مانند ہوتی ہیں، مگر آدمی کے ہاتھ میں چھنگلیاں کا کوئی کام نہیں ہوتا، اس کا کوئی فنکشن نہیں ہوتا۔ وہ ہاتھ کے ایک طرف بالکل بے کار لٹکتی رہتی ہیں۔ کچھ لوگ اس کو چھوڑے رکھتے ہیں اور کچھ لوگ اس کا آپریشن کرا دیتے ہیں۔ یہی معاملہ تقلیدی ایمان کا ہے اور تقلیدی ایمان آدمی کی

زندگی میں ایک بے اثر عقیدے کے طور پر شامل رہتا ہے۔ وہ اس کی زندگی کا حاکم نہیں ہوتا۔ آدمی کی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی الگ رہتی ہے اور اس کا ایمان الگ۔

حقیقی ایمان ایک قسم کا شعوری سفر ہے، وہ اس احساس کا نام ہے کہ آدمی نہ دکھائی دینے والے خدا کو دیکھ لے۔ وہ غیب میں چھپی ہوئی حقیقت کا مشاہدہ کر لے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایمان ایک دریافت ہے۔ ایمان ایک حقیقت ہے، سب سے بڑی حقیقت، جو چیز آدمی کی زندگی میں بطور حقیقت کے داخل ہو اس کا داخل ہونا محض ایک سادہ چیز کا داخل ہونا نہیں ہوتا۔ وہ ایک انقلاب ہوتا ہے۔ ایک ایسا انقلاب جس سے پرسکون زندگی میں زلزلہ آجائے یا ٹھہرے ہوئے پانی میں طوفان برپا ہو جائے۔ اس قسم کا ایمان جب کسی کو ملے تو وہ اس کی سوچ کو بدل دیتا ہے، وہ اس کی سرگرمیوں کے رخ کو پھیر کر ایک طرف سے دوسری طرف کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کے اندر ایک نئی خوشی ابھرتی ہے۔ اس کے بعد اس کے اندر سے ایک نیا انسان ظہور کرتا ہے۔ اس کے بعد آدمی وہ نہیں رہتا جو وہ پہلے تھا۔ اپنے قول اور عمل دونوں کے اعتبار سے وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے ہم قرآن سے کچھ واقعاتی مثالیں پیش کریں گے۔

ایمان ایک بیداری اور جذبہ

ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کے جادوگروں کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا خدائی معجزہ سے بہت بڑا سانپ بن جاتا تھا۔ مصر کے بادشاہ فرعون نے اس کے توڑ کے لئے اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کیا۔ جادوگر جب آئے تو انہوں نے فرعون سے خوشامدانہ انداز میں کہا:

اَءِ نَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِيْنَ. (الشعراء: ۴۱)

ترجمہ: ''اگر ہم موسیٰ پر فتح پالیں تو کیا ہمیں بادشاہ کی طرف سے کچھ انعام دیا جائے گا؟''۔

جادوگروں کا یہ حال ظہور حقیقت سے پہلے تھا۔ اس کے بعد جب کھلے میدان میں ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا اور جادوگروں نے دیکھا کہ ان کے سانپوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے نگل لیا ہے تو جادوگروں پر یہ راز کھل گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں۔ اتنا بڑا واقعہ خدا کے پیغمبر ہی کے ذریعے ظاہر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جادوگر اسی وقت خدا کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ وہ کہنے لگے کہ:

آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالِمِيْنَ. (شعراء ۴۷)

''ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔''

جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کر لینا فرعون کے لئے ذاتی شکست تھی۔ اس نے بگڑ کر کہا کہ میں تمہیں سخت ترین سزا دوں گا۔ میں تمہارے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوا دوں گا، اور پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ جادوگروں نے یہ سن کر کہا:

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ، اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا. (طٰہٰ: ۷۲)

''جو کچھ تجھے کرنا ہے کر ڈال ، تو جو کچھ کرسکتا ہے موجودہ دنیا
کی زندگی میں ہی کرسکتا ہے۔''

اس مثال میں صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ ایمان کے بعد آدمی کے اندر کس طرح کا انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ کس طرح اس کے اندر سے ایک نیا انسان ظہور کرتا ہے؟ وہی جادوگر جو چند لمحے پہلے بادشاہ کی عظمت سے دبے ہوئے تھے، اور اس کی خوشامد کر رہے تھے، ایمان کے انقلاب کے بعد ان کا یہ حال ہوا کہ وہ فرعون کی سخت ترین سزا کی دھمکی سن کر بھی متاثر نہیں ہوئے۔ باہر سے اگرچہ وہ پہلے ہی جیسے دکھائی دیتے تھے مگر اب ان کے اندر ایک نیا انسان پیدا ہو چکا تھا۔ ایک ایسا انسان جو صرف اللہ سے ڈرتا تھا، ایک ایسا انسان جس کی نظر میں آخرت کے سوا ہر چیز بے وقعت ہو چکی تھی۔

ایمان معرفت کا حامل

قرآن میں ایمان کو معرفت کہا گیا ہے:

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ. (المائدہ:۸۳)

(انکی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں) اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

اسی طرح حدیث میں ایمان کو علم کہا گیا ہے ارشاد ہوا ہے:

من علم انه لا اله الا اللّٰه دخل الجنة. (مسلم)

ترجمہ: ''کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ

نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

معرفت اور علم کسی چیز کو شعوری طور پر پانے کا نام ہے۔ جب آدمی کسی چیز کو شعوری طور پر پائے تو ایسا پانا محض بے اثر عقیدہ یا جامد نظریہ نہیں ہوتا۔ وہ آدمی کے پورے وجود میں سما جاتا ہے۔ وہ آدمی کی پوری شخصیت کو ہلا دیتا ہے۔

اس قسم کے ایمان کا ایک واقعہ قرآن میں ساتویں پارے کے شروع میں مذکور ہے۔ نجران کے علاقے سے دس عیسائیوں کا ایک وفد رسول ﷺ سے ملنے کے لئے مدینے آیا۔ آپ ﷺ نے ان کو قرآن کے کچھ حصے سنائے۔ اس کو سن کر ان کے ذہن کی گرہیں کھل گئیں۔ انہوں نے خدا کو پہچان لیا۔ ان پر یہ منکشف ہوا کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس انکشاف حقیقت کے بعد ان کا جو حال ہوا وہ قرآن میں ان لفظوں میں بیان ہوا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰیٓ اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ. (المائدہ:۸۳)

”اور جب انہوں نے سنا اس کلام کو جو رسول کی طرف اترا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔“

نجران کے اس وفد کو جب ایمان کا شعور ملا تو وہ بے اختیار رو پڑے۔ رونا کوئی

سادہ واقعہ نہیں ہے۔ یہ اندرونی طوفان کا ایک خارجی اظہار ہے۔ جب حقیقت کا ادراک دل کے تار کو چھیڑتا ہے، جب ایک عظیم انکشاف سے آدمی کا سینہ پھٹ جاتا ہے، جب خدا اور بندے کے اتصال سے بندے کی تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے، اس وقت انسان کے دل میں ہیجان خیز جذبات اٹھتے ہیں۔ یہ جذبات اپنے نکاسی کے لئے جو راستہ پاتے ہیں ان میں سے ایک آنکھوں کا راستہ ہے۔ آنکھ کے راستے میں آنسوؤں کا سیلاب بہہ کر اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ آدمی قرب خداوندی سے محظوظ ہوا ہے۔ آدمی کو اس نعمت ربانی کا حصہ ملا ہے جس کو ایمان کہتے ہیں۔

ایمان اور خوفِ خدا

مفسر ابن کثیرؒ نے ایمان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

الخشية خلاصة الايمان.

''خدا کا خوف ایمان کا خلاصہ ہے۔''

یہ تفسیر بہت بامعنیٰ ہے۔ آدمی جس درجہ کا مومن ہو اسی کے لحاظ سے اس کے اندر کیفیت پیدا ہوتی ہے، مثلاً آپ چیونٹی کی موجودگی کا اقرار کریں تو اس وقت آپ کے اندر جو کیفیت پیدا ہوگی وہ اس سے بالکل مختلف ہوگی جب کہ آپ ایک شیر کی موجودگی کا اقرار کر رہے ہوں گے۔ چیونٹی کی موجودگی آدمی کے اندر کوئی جذبہ پیدا نہیں کرتی، مگر شیر کی موجودگی محسوس کر کے آدمی سر سے پاؤں تک جاگ اٹھتا ہے۔ جب شیر کی موجودگی کو محسوس کرنے پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو شیر کے خالق کی موجودگی کو محسوس کر لے اور جس کو خالق کائنات

کی موجودگی کا ادارک ہو جائے۔

زندہ ایمان ہی حقیقی تبدیلی لاتا ہے

ایمان اگر زندہ ایمان ہو اگر وہ خدا کی ذات پر یقین کے ہم معنیٰ بن گیا ہو تو ایسا ایمان آدمی کو لرزا دیتا ہے۔ خدا کی ہیبت سے اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کی آواز پست ہو جاتی ہے۔ اس کے چلتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ اس کی زندگی ایسی پابند زندگی بن جاتی ہے۔ جیسے خدا اس کے رات اور دن کا نگراں بن گیا ہو۔

بعض مفسرین نے مؤمنین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ وہ غیب پر اس طرح یقین رکھتے ہیں جس طرح وہ مشاہدے پر یقین رکھتے ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ كَمَا يُؤْمِنُوْنَ بِالشَّهَادَةِ.

(تفسیر ابن کثیر: ج/۱، ص/۴۱)

گویا قیامت کے روز خدا کو دیکھ کر لوگوں کا جو حال ہوگا وہ حال مومن کا بغیر دیکھے ہوئے اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ غیر مومن قیامت میں خدا کو دیکھ کر جھک جائیں گے، مومن اسی آج کی دنیا میں خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے۔ قیامت میں خدا کے فرشتے لوگوں کو عدالت الٰہی میں لا کھڑا کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ غیر مومن پر قیامت میں گزرے گی وہ مومن پر اسی دنیا میں گزر جاتی ہے۔ اسی زلزلہ خیز تبدیلی کا نام ایمان ہے۔

ایمان: ایک ترقی پذیر حقیقت

سورۂ ابراہیم میں ایمان اور مومن کو درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ

کلمہ ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک صاف ستھرا درخت ۔اس کی جڑ زمین میں قائم ہے اوراس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ. (ابراھیم:۲۴)

درخت کی ایک انوکھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بڑھتا رہتا ہے۔ بیج سے اکھوا، اکھوے سے تنا، تنے سے شاخیں، شاخوں سے پیتاں اور پھر پورا درخت۔ وہ ہر آن بڑھتا رہتا ہے۔ وہ بیج سے شروع ہو کر بڑھتے بڑھتے سرسبز درخت بن جاتا ہے۔ ایمان اِسی طرح مضبوط ہوتا ہے، اس کے اور مضبوط ہونے کی صورت بھی وہی ہوتی ہے جو درخت کے بڑھنے کی صورت ہے۔ درخت زمین اور فضا سے معدنیات، گیس اور پانی لے کر اپنے وجود کو بڑھاتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ فضا کی مضر گیس (کاربن) بھی اس کے غذائی کارخانے میں داخل ہوکر اس کے وجود کا جزو بن جاتی ہے اور وہ مفید گیس (آکسیجن) کی صورت میں باہر نکلتی ہے۔ یہی حال مومن کا اس دنیا میں ہوتا ہے۔

مومن اپنے ماحول میں پیش آنے والے ہر واقعے اور ہر مشاہدے کو اپنے لئے غذا بناتا رہتا ہے۔ اس پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ فریاد کرنے کے بجائے صبر کرتا ہے گویا مصیبت اس کے ایمانی کارخانے میں داخل ہو کر مثبت نفسیات کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اسی طرح مومن کو کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ فخر نہیں کرتا بلکہ اس کو خدا کی طرف سے انعام سمجھ کر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ گویا کہ جو چیز عام

انسانوں کو خدا سے غفلت اور سرکشی کی طرف لے جاتی ہے، وہ مومن کو خدا سے قریب کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔حتیٰ کہ اگر مومن کو کسی سے شکایت ہوتی ہے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے۔گویا جو واقعہ عام انسان کو انتقام کی آگ میں جلانے کا باعث بنتا ہے، وہ مومن کو خدا کی معافی اور مغفرت کے سائے میں پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے۔اسی طرح مومن جب زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھتا ہے تو یہ سب چیزیں دل و دماغ کے لئے خدا کی نشانیاں بن جاتی ہیں وہ مخلوقات کے آئینے میں خالق کو دیکھ لیتا ہے، گویا جو مشاہدہ عام انسانوں کے لئے صرف مادی فائدہ لینے کا ذہن پیدا کرتا ہے، وہ مومن کے ایمانی کارخانے میں خدا کی یاد کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔اسی طرح ہر معاملہ اور ہر مشاہدہ مومن کو روحانی غذا دیتا رہتا ہے اور اس کے ایمان و یقین میں برابر اضافہ کرتا رہتا ہے۔

ایمان: پھل دار درخت

سورۂ ابراہیم کی مذکورہ آیت میں ایمان کو صاف ستھرے درخت سے مثال دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ ہر موسم میں اپنا پھل دیتا ہے۔

تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا.

(ابراھیم: ۲۵)

پھل دار درخت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب اس کا موسم آتا ہے تو اس کی شاخوں میں پھل لٹکنے لگتے ہیں۔مومن کا حال اخلاق اور امن کے دائرے میں مسلسل یہی ہوتا ہے۔مومن کا زندہ شعور، اس کا خدا کو حاضر و ناظر جاننا، اس کا یہ یقین کہ مرنے

کے بعد خدا کی عدالت میں کھڑا ہونا ہے، یہ چیزیں مومن کو اتنا حساس اور اتنا ذمہ دار بنادیتی ہیں کہ وہ ہر موقع پر وہی کرتا ہے جو اس کے ایمان کا تقاضا ہو۔ جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اس سے وہی اخلاق اور کردار ظاہر ہوتا ہے جو خداوند ذوالجلال پر زندہ یقین رکھنے والے آدمی سے ظاہر ہونا چاہئے۔

جب اس کے سامنے کوئی سچائی ظاہر ہوتی ہے تو وہ تحفظات کے بغیر دل سے یہ اقرار کرلیتا ہے۔ جب خدا کی عبادت کی پکار بلند ہوتی ہے تو وہ ہر دوسرے کام کو چھوڑ کر خدا کے آگے سجدے ریز ہونے کے لئے نکل پڑتا ہے۔ جب اس کے مال میں سے خدا کا حصہ مانگا جاتا ہے تو وہ پورے اخلاص اور خوشی کے ساتھ اس کو اس کا حصہ پہنچا دیتا ہے۔ جب وہ کسی سے ایک بات کا وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا کئے بغیر اس کو چین نہیں آتا۔

ایمان ایک ربّانی چشمہ

ایمان کوئی جامد عقیدہ نہیں، ایمان ایک متحرک فطری سیلاب ہے۔ ایمان ایک ربانی چشمہ ہے جو کسی بندۂ خدا کے سینے میں پھوٹ پڑتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ایمان آدمی کو اس طرح ملے کہ وہی اس کی زندگی بن جائے۔ وہ ایسی روشنی ہو جس سے اس کا پورا وجود جگمگا اٹھے۔ وہ ایسا رنگ ہو جس میں آدمی کے سارے معاملات رنگے ہوئے نظر آئیں۔ ایمان خدا کی موجودگی کو پالینے کا نام ہے۔ ایمان یہ ہے کہ آدمی خدا کی عظمتوں میں گم ہوجائے، وہ احساس خداوندی میں نہا اٹھے۔ ایمان آدمی کے جذبات کا حمہ

خداوندی میں ڈھل جانے کا نام ہے۔ یہ دنیا میں رہتے ہوئے خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ ایمان ایک بھونچال ہے جو خدا کی معرفت سے آدمی کے اندر ابل پڑتا ہے۔ ایمان ایک دریا ہے جو خدا کے فیضان کو پاکر آدمی کے دل و دماغ میں جاری ہوجاتا ہے۔ ایمان خدا کو پالینا ہے اور خدا کو پالینا سب کچھ پالینا ہے۔ پھر کیا چیز ہے جو اس کے بعد آدمی کو نہ ملے؟

ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر

کامل ایمان کی تعریف

شریعت میں ایمان واسلام صفتِ انقیاد و اطاعت کی اس آخری منزل کا نام ہے جس کے بعد اوامرِ الٰہیہ اور منہیات شرعیہ کے قبول کرنے سے قلب میں کوئی انحراف باقی نہ رہے۔ مخبر صادق ﷺ پر وہ اعتماد حاصل ہوجائے کہ پھر دل کی تمام خوشحالی اور روح کا کامل سُرور اس کی تصدیق میں منحصر نظر آنے لگے۔ گویا جذبۂ وفاداری طلبِ دلائل کی مہلت نہ لینے دے۔ راہِ حق میں ہر نئی قربانی ایک نئی لذت ہو اور ایک ادنیٰ نافرمانی تلخ گھونٹ ہوجائے جو گلے سے اتارے نہ اترے۔

ایمان بالغیب ایمان کی سب سے بڑی صفت ہے

ارشاد باری ہے:

هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ○ (بقرہ:۲)

”(یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے۔(اللہ) سے ڈرنے
والوں کو جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں پر۔“

اس آیت میں ان ہی سرفروشوں کی اس سرمستی کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ جماعت ہے جو محض جذبۂ انقیاد میں دیکھی اور ان دیکھی باتوں کی یکساں تصدیق کر چکی ہے۔آنکھ اگر دیکھتی اور تصدیق کرتی ہے۔کان اگر سنتے اور مان لیتے ہیں تو یہ ان کا فطری اقتضاء ہونا چاہئے لیکن آنکھیں اگر نہیں دیکھتیں، کان اگر نہیں سنتے پھر اس ذات برتر و بالا کے پیغمبر اور کتاب وارشاد پر جن کی صداقت پر سارا جہاں قربان اعتماد کر لیتے ہیں تو پھر بلاشبہ یہ ان کے ایثار وانقیاد کی آخری دلیل ہوگی، یہی وثوق اور اعتماد ایمان کی روح ہے۔

دلائل کی تلاش اور اس کا وزن

دلائل کی روشنی بھی کوئی روشنی ہے جو ایک قدم پر اگر چمکتی ہے تو دوسرے ہی قدم پر گل ہو جاتی ہے اگر نبی صاحب وحی ہے اور جو کہتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے تو اس کے اعتماد پر اس کے تمام دین کو تسلیم کر لینا ایک طبعی وفطری تقاضا ہونا چاہئے کسی حقیقت کے مسلّم ہو جانے کے بعد بھی دلائل کی تلاش، روشن خیالی نہیں بلکہ ایک مختصر راہ کو اور طویل کر دینا ہے۔اسی لئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لانے کے بعد دعوتِ مناظرہ کے بجائے شروع سے عمل کی دعوت دیتے ہیں۔اگر مدار صرف دلائل پر ہو تو دلائل کبھی کبھی ہر دو طرف پیدا ہو جاتے ہیں، اس

کے علاوہ یہ کہ اس کے مطالب کی نزاکت کبھی دلائل کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے۔ پھر مذاق کا تفاوت سمجھ اور فہم کا اختلاف، اس پر وہم انسانی کی مزاحمت، یہ سب وہ موانع ہیں جو اگر نفسِ تصدیق کے لئے نہ سہی مگر کم از کم عمل کے لئے تو یقیناً سدِ راہ بن جاتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے صرف اطاعت وانقیاد ہی کی ایک راہ بتائی ہے۔

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

(حشر:۷)

”جو کچھ رسول تمہارے پاس لیکر آئے اس کو اختیار کرلو اور جس سے روکے اس سے رُک جاؤ۔“

دلائل کا وسیع دائرہ بھی کچھ دور جا کر آخر اسی صفتِ انقیاد پر ختم ہوجاتا ہے ورنہ ایک مقصد کے حصول کے لئے مقدمات کی اتنی بے شمار کڑیاں درکار ہوں گی کہ اگر سب کا طے کرنا ضروری ٹھہرے تو پھر تمام عمر میں ایک مقصد کا حصول بھی خواب وخیال سمجھ لینا چاہئے، بہ نظرِ انصاف ایک تجربہ کار محقق کا قول خود ایسی محکم دلیل ہوتی ہے جو تنہا ہزار دلائل کا وزن اپنے اندر رکھتی ہے۔ آج بھی ہم اپنے دلائل وبراہین کا سلسلہ آخر میں یورپ کے فلاسفروں کی تھیوریوں پر جا کر ختم کردیتے ہیں اور صرف ان کے ناموں کا حوالہ دیدینا دلائل کی وہ معراج تصور کرتے ہیں جس کے بعد تمام دلائل سے بے نیازی ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ تھیوریاں بے دلیل مسلّم ہونے کے قابل ہیں بلکہ اس کی تہہ میں یہ علم یقین پہلے حاصل ہوتا ہے کہ یہ

تھیوریاں ان فلاسفروں کے نزدیک چونکہ اپنے دلائل سے ثابت شدہ ہیں لہٰذا ان دلائل کا تلاش کرنا اور پھر ان کا دوہرانا محض ایک مسافت کا طویل کرنا ہو جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے علوم کا مرتبہ ومقام

ٹھیک اسی پر علومِ انبیاء علیہم السلام کو قیاس کر لینا چاہئے، اگرچہ "چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک" ان کے علوم بھی اپنی جگہ ایسے دلائل سے ثابت شدہ ہوتے ہیں جہاں باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی بلکہ وہ علمِ یقین کے اس مقام پر جا پہنچتے ہیں جس کے بعد ان کا لقب برہانِ مجسم ہو جاتا ہے۔

يَـا أَيُّهَـا الـنَّـاسُ قَـد جَـاءَ كُم بُرهَـانٌ مِن رَبِّكُم وَأَنزَلـنَـا إِلَيكُم نُورًا مُبِينًا. (النساء: ۱۷۴)

"اے لوگو! پہنچ چکی ہے تمہارے پاس ایک سند تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری۔"

بندہ کا کمال تفویض وسرِ تسلیم خم کرنا ہے

اس لئے انبیاء علیہم السلام کے علوم کو ان کے اعتماد پر تسلیم کر لینا کورانہ تقلید نہیں بلکہ مجسم ایک برہان اور حجۃ بینہ کی تقلید ہے، سچ تو یہ ہے کہ ایمان کی تمام قیمت بندوں کی صرف یہ اداء ہے کہ وہ رسولِ وقت کے سامنے اپنے ساری لن ترانیاں ختم کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ اس کی ایک زبردست قربانی ہے، جسے اپنی جیسی مخلوق کو

ایسے مقام پر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی، جہاں بے دلیل سرنگوں ہو جانا تمام انسانوں کے لئے وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہو جائے (یعنی رسول) وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اس کی اطاعت اپنا فرض تصور کر سکتا ہے، اسی لئے مشرکینِ عرب میں بھی تمام جہالتوں کے باوجود ایک جماعت خدا پرست تھی اور بزعمِ خود توحید کا انکار نہ کرتی تھی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ. (الصفٰت:۳۵)

"(اور) جب کہا جائے ان سے کہ سوائے اللہ کے کوئی (اور معبود) نہیں تو غرور کرنے لگتے ہیں۔"

یہاں لفظ یجحدون اسی لئے ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ اُس دعوت سے انہیں انکار نہ تھا البتہ مسلمانوں کی آواز پر ان کا ہم آہنگ ہو جانا ان کے نزدیک اپنی بڑائی کے خلاف تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم فرمانے کا راز

عالم کا سب سے پہلا شقی یعنی ابلیس خالق السموات والارضین کی عبادت سے کبھی منکر نہیں ہوا لیکن مشیتِ ایزدی نے اس کے دعوائے انقیاد کا جب امتحان لیا تو اپنی عبادت کا حکم فرما کر نہیں لیا بلکہ ایک مشتِ خاک کے سامنے سر جھکانے کا حکم فرمایا، ظاہر ہے کہ سر جھکا دینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ہاں دشواری تھی تو یہ تھی کہ ایک ضعیف ہستی کے سامنے سر جھکانا جو مخلوق ہونے میں اس کی برابر کی شریک ہو، اس کی آوازِ فطرت کے برخلاف اور بظاہر ایک بے دلیل بات تھی۔ اس سے رہا نہ گیا

اور

اَنَـا خَیۡـرٌ مِّـنۡـهُ خَـلَـقۡـتَـنِـیۡ مِنۡ نَّـارٍ وَّ خَـلَـقۡـتَـهٗ مِنۡ طِیۡنٍ(اعراف: ۱۲)

''میں بہتر ہوں اس سے (کیونکہ) مجھ کو بنایا ہے تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔''

کا نعرہ لگا بیٹھا، دلائل کی پیروی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ہوا، اس کا پوشیدہ کبر اور طبعی انحراف پھوٹا اور آخر وہ تسلیم و رضا کی اس منزل میں چل کرنا کام رہ گیا۔ جہاں خیر و شر کا سوال ہی باقی نہیں رہتا اور چون و چرا کا میدان جنگ ہو جاتا ہے۔

طبعی انحراف وعلو کا خاصہ

طبیعت کے انحراف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تلاشِ حق کی تمام توفیق سلب کر دیتا ہے اور وہ نشہ پیدا کر دیتا ہے جس کے بعد اپنی ہوائے نفس کے سامنے دلائل و براہین کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اطراف و جوانب سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور اس بے شعوری کے عالم میں جو فیصلہ اپنے خیال میں آجاتا ہے وہ آخری فیصلہ نظر آنے لگتا ہے۔

فضیلت کے لئے صرف مادہ کا شرف کافی نہیں ہے

ابلیس نے صرف آگ کی مادی کے شرف پر نظر کی یہ اس کا قصورِ نظر تھا، عنصر خاک گو ضعیف ترین عنصر سہی مگر کیا ہو نہیں سکتا تھا کہ اس میں بھی کوئی جہت ایسی پیدا ہو جائے جو اسے قوی و برتر عنصر سے بھی افضل بنا دے، اگر ابلیس انسان کی صورت کی طرف بھی نظر کر لیتا تو اپنے مادہ کا شرف اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ عنصر

آتش ہزار اشرف سہی مگر یہاں صورت ایک حرفِ کن نے عطا کی تھی، عنصر خاک پر جو نقش و نگار نظر آئے وہ نقاشِ ازل کے خود اپنے دستِ قدرت کا بلا واسطہ کمال تھا۔

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ . (ص:۷۵)

''فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ سجدہ کرتا اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا یہ تو نے غرور کیا یا تو درجہ میں بڑا تھا۔''

مناظرہ ابلیس میں ایک عظیم نصیحت

نصبِ خلافت سے پہلے ہی یہ سبق تمام نسل انسانی کو دیدیا گیا تھا کہ اُسے بھی اپنی اطاعت و انقیاد کا امتحان دینا ہوگا اور کامیابی صرف اس صورت میں متصور ہوگی جبکہ خدائے رب العزت کی رضا جوئی میں اس کے رسولوں کے لئے بھی بے دلیل وہی جذبہ اطاعت پیدا ہو جائے جو خود اس کے لئے موجزن ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ رسول کی باتوں پر بے دلیل یقین کر لینا کیوں رکنِ ایمان قرار دیا گیا ہے۔

انصار کی محبت علامتِ ایمان کیوں ہے؟

حدیث شریف میں انصار کی محبت کو علاماتِ ایمان میں اسی لئے شمار کیا گیا ہے کہ رسول ﷺ اور اس کے کنبہ و قبیلہ یا ہم وطن کی محبت ہر مسلمان میں طبعی طور پر

بھی ہوسکتی ہے اور ہونی چاہئے مگر انصار کی محبت جو نہ اس کا ہم قبیلہ تھے، نہ ہم وطن، اگر ہوسکتی ہے تو صرف اس لئے کہ انہوں نے رسول ﷺ کی ایسے آڑے اور سخت وقت اعانت کی تھی جبکہ اس کے قبیلہ تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بلاشبہ یہ محبت کمالِ ایمان ہی کا ثمرہ ہوسکتی ہے۔ محبوب تو نظرِ عاشق میں سرتا پیر محبوب ہوتا ہے مگر اس میں کمال کیا ہے کہ اس کی ہر ہر ادا عشاق کی دلربائی کا مستقل ایک ایک افسوں ہوتا ہے، کمالِ محبت تو یہ ہے کہ اس کی رضاء میں وہ فنا میسر ہو جائے کہ پھر یگانہ، وبیگانہ مکروہ ومحبوب کا امتیاز جاتا رہے بلکہ تمام محبت وشفقت، ہمدردی وسلوک تعاون وسازگاری کا وہی ایک محور ومرکز بن جائے۔ مال واولاد کا تو ذکر کیا ہے اپنے نفس سے اگر محبت رہ جائے تو وہ بھی اسی کی خاطر ہو۔

انّ صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین. (انعام: ۱۶۵)

ترجمہ: ”بے شک میری نماز، قربانی وعبادات، جنیا اور مرنا خالص اللہ کے لئے جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔“

اس کی راہ میں تمام قربانیاں شیریں بن جائیں اور اس کے خلاف میں ساری خوشحالیاں کانٹے نظر آئیں، اس کے نام پر گردنیں اتروا دینا حیات ابدی معلوم ہو اور اپنی قربان گاہ سے ایک قدم پیچھے ہٹنا موتِ ابدی نظر آئے اور یہ سب کچھ اس تصور میں ہو کہ یہ ساری جاں نثاریاں گو اس قابل نہ سہی کہ محبوب کے لئے قابلِ نظر ہوں مگر ایک عاشق کی یہ حسرت ہونی چاہئے کہ راہِ عشق میں جو قربانی وہ کرسکتا ہے کر گذرے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ وعمار رضی اللہ عنہ کے سرفروشانہ جذبات پر سیرت نگاروں کو

حیرت ہے مگر خود ان کی زبانی اگر دریافت کیا جاتا تو ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے ان جام پینے والوں سے شاید انہیں شکایت ہوتی جنہیں اس کے ہاتھ سے جام پی کر تکلیف وراحت کا احساس باقی تھا۔

ایمان میں اسی منزل کا نام مقامِ یقین ہے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۱ پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقلِ انسانی جب نشۂ یقین سے مخمور ہو جاتی ہے تو قلب ونفس بھی اس سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ پھر عالم غیب پر ان کو محسوسات کی طرح یقین نصیب ہو جاتا ہے، فقر وغناء حیات وموت کے کشمکش سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے اسباب کے قید وبند سے رستگاری میسر آجاتی ہے۔

ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے

یہ ہے وہ ایمان جس پر مذہب کی تمام بنیاد قائم ہے کوئی عقیدہ اپنے دامن میں خواہ کتنی ہی عظمت اور رفعتیں کیوں نہ رکھتا ہو مگر اس نورِ ایمانی کے بغیر نظرِ شریعت میں وہ صرف ایک ظلمت کدہ اور سراسر تاریکی ہے، کوئی عمل مجاہدات وریاضات کے خواہ کتنے ہی مراحل کیوں نہ طے کر چکا ہو مگر بدون اس روحِ ایمانی کے ایک تنِ مردہ اور میزانِ آخرت میں قطعاً بے وزن ہے۔

فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا.

(کهف: ۱۰۵)

”پس ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے۔“

ایمان ہی اصل سرمایہ ہے

عقائد واعمال کا تو ذکر کیا ہے کوئی معمولی سی معمولی نیت بھی خواہ کتنی ہی صاف ستھری کیوں نہ ہو اس سرمایۂ ایمان کے بغیر بارگاہِ بے نیاز میں کوئی اعتبار نہیں رکھتی ، یہ ایمان، عقائد واعمال اور نیتوں کی وہ واحد روح ہے جس کے بعد کفر کی تابڑ توڑ تاریکیاں چشمِ زدن میں کافور ہو سکتی ہیں، آتش کدۂ جہنم اس کے روبرو سرد ہو سکتا ہے اور جنّتِ عدن اس کا ایک طے شدہ معاوضہ بن جاتا ہے۔ ایک معمولی سجدہ طاعاتِ صد سالہ کے لئے مایہ رشک اور مٹھی بھر جو کا صدقہ بے شمار اجر وثواب کا مستحق نظر آنے لگتا ہے۔ اس سب کچھ کا اس سچی کتاب میں وعدہ کیا گیا ہے جو غلط گوئی سے بالکل منزہ اور مبالغہ آمیزی سے یکسر مبراء ہے۔

ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

ایمان کا اصل لغوی معنی تو کسی پر اعتبار واعتماد کی بنیاد پر اُس کی ہر بات کو سچ ماننے کے ہیں جسے عربی زبان میں ''التصدیق'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دین وشریعت کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور کتاب ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتائیں اور ہمارے پاس جو علم اور ہدایت اللہ کی طرف سے پہنچائیں ہم بلا چوں وچراں ان کو سچا جان کو اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں حواس، اور آلات ادراک سے ماوراء کی قید اسلیئے لگائی گئی ہے کہ شرعی ایمان کا تعلق امور غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے حواس

وآلات ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے مثلاً اللہ کی ذات وصفات اور اسکے احکام، رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد، مبداء ومعاد، برزخ ومحشر، جنت وجہنم کے متعلق ان کی اطلاعات وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کو سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے اور پیغمبر ﷺ کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اسکو حق ہی نہ سمجھنا اسکی تکذیب ہے جو آدمی کو ایمان کے دائرے سے نکال کر کفر میں دھکیل دیتا ہے پس آدمی کے مومن ہونے کی شرط اولین یہ ہے کہ **التصدیق بکل ماجاء به الرسول ﷺ من عندالله** (یعنی ان تمام چیزوں اور حقیقتوں کو سچا جاننا اور ماننا جو اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں) اس حد تک تو ایمان "ایمان مجمل (اجمالی ومختصر ایمان) کہلاتا ہے جو ثبوت ودعوٰی ایمان کے لئے کافی ہے۔ البتہ کچھ خاص، اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے بعد ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے جو کہ حدیث جبریلؑ میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں ذکر کئے گئے ہیں (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر وشر کی تقدیر)

اب مختصراً یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ان متعین ایمانیات پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے۔؟

اللہ پر ایمان لانا

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہ لاشریک خالق کائنات اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب ونقص کی ہر بات سے پاک،

اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

ملائکہ پر ایمان لانا

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء ع ۲)

جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (تحریم ع ۱)

ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب۔

ملائکہ کے وجود پر یہ شبہ کہ اگر وہ موجود ہوتے تو نظر آتے سخت جاہلانہ شبہ ہے ۔دنیا میں کتنی ہی چیزیں ہیں جو باوجود موجود ہونے کے ہم کو نظر نہیں آتیں، کیا زمانہ حال کی خوردبینوں کی ایجاد سے پہلے کسی نے پانی میں، ہوا میں اور خون کے قطرہ میں وہ جراثیم دیکھے تھے جن کو خوردبین سے آج ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے۔اور کیا کسی آلہ سے بھی ہم اپنی روح کو دیکھ پاتے ہیں ۔تو جس طرح ہماری آنکھ خود اپنی روح کو

دیکھنے سے اور بغیر خوردبین کے پانی وغیرہ کے جراثیم دیکھنے سے عاجز ہے، اسی طرح فرشتوں کو دیکھنے سے بھی قاصر ہے اور پھر کیا اس کی کوئی دلیل ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ موجود نہیں ہوسکتی؟ کیا ہماری آنکھوں او رہمارے حواس نے کل عالم موجودات کا احاطہ کرلیا ہے؟ ایسی بات خاص کر اس زمانہ میں جب کہ روز روز نئے انکشافات ہورہے ہیں، کوئی بڑا احمق ہی کہہ سکتا ہے ، دراصل انسان، کا علم اور اس کے علمی ذرائع بہت ہی ناقص اور محدود ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا. (بنی اسرائیل ع ۱۰)

''اور تمہیں نہایت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے''

اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا

اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یقین کیا جائے کہ اللہ پاک نے اپنے رسولوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ہدایت نامے بھیجے، ان میں سب سے آخر اور سب کا خاتم قرآن مجید ہے۔ جو پہلی سب کتابوں کا مصدق اور مہیمن بھی ہے، یعنی ان کتابوں میں جتنی ایسی باتیں تھیں جن کی تعلیم وتبلیغ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہوتی ہے وہ سب اس قرآن میں لے لی گئی ہیں، گویا یہ تمام کتب سماویہ کے ضروری مضامین پر حاوی اور سب سے مستغنی کردینے والی خدا کی آخری کتاب ہے ، اور چونکہ وہ کتابیں اب محفوظ بھی نہیں رہیں اس لئے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کے قائم مقام اور سب سے زیادہ مکمل ہے۔ اور زمانہ آخر تک اس کی

حفاظت کی ذمہ داری اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْن .(حجر ع ۱)

رسولوں پر ایمان لانا

اور ''اللہ کے رسولوں'' پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس واقعہ حقیقت کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً اور مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی ''ہدایت'' اور اپنی رضامندی کا دستور دے کر بھیجا ہے، اور انہوں نے پوری امانت ودیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں کو پہنچادیا، اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی پوری پوری کوششیں کیں ، یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے (ان میں سے چند کے نام اور کچھ حالات بھی قرآن کریم میں ہم کو بتلائے گئے ہیں اور بہت سوں کے نہیں بتلائے گئے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْکَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْکَ (مومن ع ۸)

بہر حال خدا کے ان سب رسولوں کی تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبر انکا پورا پورا احترام کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے، اور اسی کے ساتھ اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ نے اس سلسلہ نبوت ورسالت کو حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا، آپ خاتم الانبیاء اور خدا کے آخری رسول ہیں اور اب قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے نجات وفلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی ہدایت کی پیروی میں ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنِ اتَّبَعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

یومِ آخرت پر ایمان لانا

اور ''ایمان بالیوم آلاخر'' یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن قطعی طور پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے مُردوں کو زندہ کرے گا اور یہاں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزا یا سزا اس کو دی جائے گی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ چونکہ دین و مذہب کے سارے نظام کی بنیاد اس حیثیت سے جزا و سزا ہی کے عقیدہ پر ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین و مذہب میں خواہ وہ انسانوں کا خود ساختہ ہو یا اللہ کا بھیجا ہوا، ''جزا و سزا'' کو بطور بنیادی عقیدہ کے تسلیم کیا گیا ہے، لیکن خدا کی طرف سے آئے ہوئے ادیان و مذاہب کل کے کل اس پر متفق ہیں کہ اسکی صورت وہی حشر و نشر کی ہوگی جو اسلام بتلاتا ہے اور قرآن مجید میں اُس پر اس قدر استدلالی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق اور انتہائی قسم کا ناسمجھ ہی ہوگا جو ان قرآنی دلائل و براہین کے سامنے آجانے کے بعد بھی حشر و نشر اور بعث بعد الموت کو ناممکن اور محال یا مستبعد بھی کہے۔

تقدیر پر ایمان لانا

اور ''ایمان بالقدر'' یہ ہے کہ اس بات پر یقین لایا جائے اور مانا جائے کہ دنیا

میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے (خواہ وہ خیر ہو یا شر) وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے۔ جسکو وہ پہلے ہی طے کر چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو اور دنیا کا یہ کارخانہ اس کی منشاء کے خلاف اور اس کی مرضی کے علی الرغم چل رہا ہو، ایسا ماننے میں خدا کی انتہائی عاجزی اور بے چارگی لازم آئے گی۔

اقرار باللسان کی اہمیت ووقعت

اسلام جو اخلاق عالیہ کا سب سے اول معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی زبان کو بلاوجہ جھوٹا قرار دے یا اس کے متعلق کسی اندرونی کمزوری کی بناء پر اپنے ضمیر کے خلاف بولنے کا تصور لائے، دنیا میں ایک بڑے سے بڑا انسان خواہ اخلاق کے کتنے ہی بلند مقام تک کیوں نہ پہنچ چکا ہو کبھی اپنے حریف پر وہ بھی بحالتِ جنگ اعتماد کا خیال نہیں کر سکتا۔ یہ اسلام ہے جو یہ دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے حریفوں کی زبان پر بھی اعتماد کر لو اور اس تشویش میں نہ پڑو کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، اگر ان میں کوئی سعید روح ہوگی تو ایک دن وہ خود بخود اپنے اس صدق نما کذب پر نادم ہوگی اور دل بھی زبان کی طرح اسلام کا کلمہ پڑھ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

> ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر کو بکریاں چراتے دیکھا، دورانِ جنگ ایک فریق دوسرے فریق کی گھات میں لگا ہی رہتا ہے۔ صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین لیں، اس نے اپنا پانسا کمزور دیکھا اور محسوس کیا کہ اب وہ وقت آ گیا

کہ جو اسلام مدت سے اس کے سینہ میں گھوم رہا تھا اب دل میں اتر آئے وہ اسلام لے آیا، مگر اس حال میں دشمن کا اقرارِ وفاداری، انسان کی کمزور فطرت کب قبول کرتی ہے، اس لئے صحابہ کرامؓ نے اس اسلام کو صرف مال کے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھا اور اس کی بکریاں غنیمت کا مال بنالی گئیں۔ لیکن اسلام جو اخلاق کے آخری منازل صرف زبانی سکھانے نہیں آیا تھا بلکہ طے کرانے آیا تھا اس کمزوری کو کب برداشت کرتا، اس واقعہ کی اہمیت محسوس کی گئی اور اتنی کی گئی کہ وحیِ الٰہی کو دخل دینا پڑا اور نہایت تنبیہ آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ الْقٰی الیکم السَّلام لَسْتَ مُؤمِنًا تَبْغُوْنَ عَرَضَ الحیوۃ الدُّنْیا. (نساء:۹۴)

"اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے "سلام علیک" کرے کہ تو مسلمان نہیں، تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔"

کتبِ احادیث میں اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں، بہت ہیں، جہاں اسلام کے لفظی وجود یعنی صرف اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ اگر دورانِ جنگ دشمن میرا ایک بازو کاٹ دے اور جب میرا موقعہ لگے تو وہ جان بچا کر درخت کی آڑ میں

آجائے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو کیا میں اس کے اس مجرمانہ اقدام کے بعد بھی اس کا یہ متہم اسلام قبول کرلوں، ارشاد ہوا ضرور، اور اگر اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کردیا تو یاد رکھنا تم اب اسی طرح مباح الدم سمجھے جاؤ گے جیسا وہ اپنے اسلام لانے سے قبل مباح الدم تھا۔ (مسلم شریف)

دیکھو! یہاں بھی انسان کی کمزور فطرت کس طرح اپنے حریف کا اسلام متہم کررہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے انتقام میں یہ لفظی اسلام حائل نہ ہونے پائے مگر یہ اسلام ہے جو اپنے ہمنواؤں کے سینکڑوں بازو حریفوں کی ایک زبان پر نثار کررہا ہے۔ انتقام گو فطری حق سہی مگر یہ اسلام اس نازک ماحول میں یہ ثابت کردینا چاہتا ہے کہ ایک کلمہ حق کے احیاء میں وہ اپنے فطری اور ذاتی حق سے بھی دست بردار ہوسکتا ہے۔

احادیث میں کچھ واقعات ایسے بھی نظر سے گذرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جان و مال کا تکفل، ان کی عزت واحترام کا تحفظ کچھ خاص اس کلمہ کے ادا کرنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف اقرار وفاداری کی ضرورت ہے خواہ کسی زبان سے ہو یا کسی عمل سے۔

حضرت خالد ﷛ مسلمانوں کا ایک دستہ لئے ہوئے مصروف جہاد ہیں، دشمن چاہتا تھا کہ اسلام قبول کرلے مگر ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کا لفظ نہ کہہ سکا اور اس کے بجائے صبأنا صبأنا کی صدا بلند کرنے لگا (یہ لفظ عربی زبان میں بددین ہونے کے لئے مستعمل ہے) اسی کمزوری فطرت

کی وجہ سے یہاں بھی یہ نازک اسلام قبول نہ ہوا اور آخر اسی حالت میں سب کو موت کا جام پی لینا پڑا، رحمۃ للعالمین ﷺ کو جب اطلاع ملی تو انتہائی درجہ مضطرب ہوئے اور اسی اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ اس تصور میں آسمان کی طرف اٹھ گئے مبادا خدا تعالیٰ کا قہر اُن معصوموں کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے اور میں بھی اس میں شامل سمجھا جاؤں، اس لئے فرمایا: اے پروردگار! جو غلطی خالد سے سرزد ہوئی، میں اس سے بری ہوں۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لفظی وجود گو ضعیف تر بلکہ مرادفِ عدم ہے پھر اسلام نے اس کا کیوں اعتبار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقرار سے مراد یہاں وہی اقرار ہے جسے ضمیر کی صحیح آواز کہا جا سکے ورنہ اسے اقرار ہی نہ کہا جائے گا بلکہ وہ انکار کی صرف ایک اقرار نما صورت ہو گی۔ اسلام کے ان لفظی وجود کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار باللّسان کہا جاتا ہے۔

اقرار باللّسان کی فقہی حیثیت

فقہاء کو اس میں اختلاف ہے کہ اسلام میں اقرار کی حیثیت کیا ہونی چاہئے، ایک جماعت رکن کی حیثیت تجویز کرتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ پہلی جماعت کا خیال ہے کہ اقرار بھی ایک نوع کی تصدیق ہی کا نام ہے فرق ہے تو یہ کہ ایک تصدیقِ قلب سے ہوتی ہے اور اقرار زبان کی تصدیق ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دی جائے۔ یہ اور بات ہے کہ تصدیقِ قلبی رکنِ اصلی ہے یعنی کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت

نہیں کیا جاسکتا اور اقرار رکن زائد یعنی بعض صورتوں میں یہاں اغماض وچشم پوشی کر لینا بھی ممکن ہے جیسا کہ اکراہ میں۔

شیخ ابو منصور ماتریدیؒ، شیخ ابوالحسن اشعریؒ، اور امام نسفیؒ کا میلانِ خاطر اقرار کی شرطیت کی طرف ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ثبوتِ اسلام سے قبل ہی احکامِ اسلام کا نافذ کر دینا تو غیر معقول ہے اور زبانی اقرار کئے بغیر ہمارے پاس اسلام پر کوئی شہادت نہیں اس لئے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ نفاذ احکامِ اسلامیہ کے لئے اقرار باللّسان کو شرط کہا جائے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار کا صرف یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہئے بلکہ کم از کم مسلمانوں کے امیر کے سامنے ہونا چاہئے تاکہ اجراء احکام کا اصل مقصد حاصل ہو سکے'۔ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مطالبہ کے بعد زبان سے اقرار کرنا بہر کیف ضروری ہے کیونکہ اب اقرار نہ کرنے کے معنی گویا انکار کرنا ہیں، یہ کفر جحود کہلاتا ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسهم. (نمل:١٤)

'' اور انکار کیا اُن (آیات) کا حالانکہ اپنے دل میں اس کا یقین کر چکے تھے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی دل اندر سے یقین کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے مگر زبان پھر انکار سے باز نہیں آتی، اس کا نام اصطلاح میں کفرِ عناد ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لئے اقرار کا اضافہ کر دیا ہے کہ جو تصدیقِ قلبی زبانی انکار کے ساتھ

ہو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہ رہے اور یہ سمجھا ہے کہ جب زبان کے لئے اقرار کرنا لازم ہو جائے گا تو اب انکار کی گنجائش ہی نہیں ہو گی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو دوسری طرح ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تک اقرار نہ ہو، ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے قلب میں حقیقۃً تصدیق موجود ہے۔ لہٰذا اگر ایک شخص مطالبہ کے بعد بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اسی پر محمول کریں گے کہ اس کو تصدیقِ قلبی حاصل نہیں ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللّسان ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اقرار کرنا اسی مقصد کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر رکنیت اور شرطیت کا اختلاف بہت بڑھانا نہ چاہیے۔ بلکہ اب مناسب یہ ہے کہ اختلاف کی تنقیح یوں کر دی جائے کہ اقرار کرنا بالاتفاق ضروری ہے مگر ایک فریق نے اس کی اہمیت زیادہ محسوس کر کے رکنیت کا لفظ کہہ دیا ہے اور دوسری جماعت نے گو اہمیت کو تسلیم کیا ہے مگر رکنیت کا لفظ نہیں کہا، پھر اگر پہلے فریق نے رکن کہا ہے تو لفظِ زائد کہہ کر اُسے ذرا پھیکا بھی کر دیا ہے۔

نہایت دقیق علمی تحقیق

حافظ ابن تیمیہؒ یہاں ایک اور مفید تحقیق فرما گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) زبان سے تصدیق کرنا۔ (۲) التزامِ طاعت اور عہدِ عمل و فرمانبرداری، آیتِ ذیل میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

وَإِذ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيتُكُم مِن كِتَابٍ وَحِكمَةٍ ثُمَّ جَائَكُم رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُم لَتُؤمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقرَرتُم وَأَخَذتُم عَلَى ذَلِكُم إِصرِي قَالُوا أَقرَرنَا.

(آل عمران: ۸۱)

"اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔"

اس آیت میں اقرار کا لفظ عہدِ عمل اور التزامِ طاعت ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ یہاں انبیاءؑ سے کسی امر کی صرف تصدیق مطلوب نہیں بلکہ اس کا عہد لیا جا رہا ہے کہ جو رسول تمہارے پاس آئے گا تمہیں اس کی اطاعت کرنا ہوگی اس پر ایمان لانا ہوگا، اس کی نصرت کرنی پڑے گی، التزامِ طاعت کا بھی یہی مفہوم ہے اب اگر اقرار سے یہ معنیٰ مراد لے لئے جائیں تو ایمان کی تعریف میں صرف اقرار کی قید کافی ہوگی، ورنہ التزام طاعت کے تیسرے رکن کا اور اضافہ کرنا ضروری ہوگا۔

تصدیق کے ساتھ طاعت وانقیاد کی ضرورت

انسان ایک ضعیف مخلوق ہے مگر کبھی ایسی جسارت کر لیتا ہے کہ تصدیق اس کو حاصل ہوتی ہے مگر اقرار پھر بھی نہیں کرتا اور کبھی اس سے بڑھ کر یہ غضب ڈھاتا ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار بھی کر لیتا ہے مگر اس کو اپنا عقیدہ بنانے کے

لئے تیار نہیں ہوتا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ. (عبس :۱۷)

''انسان مارا جائے کس قدر ناشکرا ہے۔''

ہرقل جیسے عالم کتاب کی تصدیق کا حال اس کے اور ابوسفیان کے مکالمہ سے ظاہر ہے اہل کتاب کی عام طور پر معرفت کا تذکرہ قرآن کریم نے بڑے وزنی الفاظ میں کیا ہے۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ. (بقره : ۱۴۶)

''اس رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو۔''

مگر باایں ہمہ ان کے کفر میں کسی کو مجالِ شبہ نہیں ہے۔...... ابوطالب کی داستانِ جاں نثاری سے کتبِ سیر کے صفحات بھرے ہوئے نظر آتے ہیں مگر یہاں بھی جمہور محققین ان کے کفر ہی کی طرف جارہے ہیں۔

ان سب امور سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک تصدیق کے ساتھ التزامِ طاعت اور انقیاد قلبی نہ ہو ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ ہرقل اور اس جیسے اور اہلِ کتاب نے تصدیق ضرور کی اور اقرار بھی کیا مگر کیا ایک لمحہ کے لئے بھی اپنا قدیم مذہب ترک کر کے دینِ محمدی میں قدم رکھا؟ جناب ابوطالب نے جاں نثاری کا جو نقشہ پیش کیا بلاشبہ وہی رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات کی زینت رہیگا۔ مگر کیا ایک مرتبہ بھی اس کلمہ کے لئے ان کی زبان متحرک ہوئی جس کے لئے دیر سے رسولِ خدا ﷺ اصرار فرما رہے تھے۔

ایمان جاننے کا نہیں ماننے کا نام ہے

انقیادِ باطن، التزام طاعت، عہدِ وفاداری یہ وہ اوصاف ہیں جن کے بغیر تصدیق صرف علم ہی کا ایک مرتبہ رہتا ہے ایمان کے وجود ذہنی کے لئے ضروری ہے کہ یہ علم ایسا صفت نفس بن جائے کہ پھر قلب اس کے سامنے سر تسلیم خم کردینے پر مجبور ہو جائے، اسی کا نام ہم نے عملِ قلب رکھا ہے۔ بعض ضعیف الاسناد روایات میں ایمان کی تعریف میں ''عقد بالقلب'' کا لفظ وارد ہے۔ اسی طرح عباراتِ سلف میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے، ہمارے نزدیک اس کی مراد بھی یہی عمل قلب ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ انقیادِ قلبی اور التزام طاعت بھی اس کا جزءِ اہم ہے اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہدِ وفاداری نہیں کرتا تو وہ مؤمن نہیں کہلاسکتا اور اسی طرح اگر فرمانبرداری کے لئے تو آمادہ ہے مگر قلب وزبان سے تصدیق کے لئے آمادہ نہیں تو بھی وہ مؤمن نہیں ہے ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ قلب وزبان تصدیق سے مزین ہوں اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا عزم بھی مصمم ہو۔ گویا شرعی تصدیق اسی کا نام ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے جو الفاظ خود شارع علیہ السلام کے بیان اور موارِدِ استعمالات سے کسی معنی کے لئے متعین ہو چکے ہیں بس وہی اس کے صحیح معنی ہوں گے۔ لغت میں عموم یا خصوص اس کے معنیٰ پر کچھ اثر انداز نہ ہوگا۔ ایک متکلم جب اپنے بار بار کے استعمال سے ایک لفظ کے معنیٰ خود متعین کر دیتا ہے تو پھر کسی کو حق نہیں رہتا کہ لغت کی استعانت یا دیگر شواہد سے اس

کے کلام میں کوئی دوسرے معنیٰ مراد لے۔ مثلاً یہی ایمان کا لفظ لے لیجئے لغت میں گو یہ لفظ تصدیق کے لئے موضوع ہے مگر شارع ﷺ نے اس لفظ کو جب استعمال کیا ہے تو ایک خاص نوع کی تصدیق کے لئے ہی استعمال کیا ہے اس لئے اب احادیث میں اس لفظ سے وہی تصدیق مراد لی جائے گی جو اس کے مکرر سہ کرر بیانات سے متعین ہو چکی ہے۔

فرض کرو ایک شخص دربارِ نبوت میں حاضر ہوتا ہے اور تصدیق کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہ آپ کے احکام بجالاؤں گا نہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے باز رہوں گا نہ فرائضِ خمسہ ادا کروں گا، ہاں شراب پیؤں گا، چوری، زنا، نکاح محارم کروں گا، غرض جو نا کردنی ہے وہ سب کچھ کروں گا، کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص یہ تصور کرسکتا ہے کہ محض لغوی تصدیق کے بعد رسولِ خدا اس کے لئے ایمان کا پروانہ تحریر فرما دیں گے۔ اس کی شفاعت کا وعدہ فرمالیں گے، جہنم سے نجاتِ ابدی کی بشارت سنا دیں گے یا یہی جواب دیں گے کہ تو صرف کافر نہیں بلکہ بدترین کافر ہے۔ تیرا یہ ایمان، ایمان نہیں استہزاء ہے یہ تصدیق نہیں بلکہ تکذیب کا بدترین مظاہرہ ہے اور اگر یہ بھی ایمان ہے تو پھر ابلیس کے ایمان میں کیا کسر تھی جس نے صرف ایک ہی سجدہ کا تو انکار کیا پھر قرآن نے کیوں اس کو کافروں میں شمار کرلیا ہے۔

اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ. (ص : ۷۴)

حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ ایمان کا ترجمہ جاننا یا یقین کرنا، یا

تصدیق کرنا اچھا نہیں ہے۔ ان تراجم سے ایمان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی بلکہ ترجمہ ''ماننا'' ہے جس سے التزامِ طاعت کا مفہوم بھی ادا ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے ۔

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

اردو داں حضرات کو حضرت شیخؒ کا ایک یہ ترجمہ ہماری اس ساری تفصیل سے بے نیاز کر سکتا ہے۔ یہ ہے ایمان کا وجود ذہنی، یہی ایمان کا جزء اشرف ہے، نجات ابدی اسی پر دائر ہے اور آخرت کی ساری خوشیاں اسی کی ثمرات و برکات ہیں۔

راہِ ایمان کی رکاوٹیں

ایمان اور ترکِ لذات ومرغوبات

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ تصدیق و معرفت حاصل ہونے کے بعد انکار و جحود کیسے ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک انسان تکمیلِ انسانیت سے پہلے انسان نہیں بنتا وہ ہمیشہ خصائل بہیمیہ کا محکوم بنا رہتا ہے اس کے علوم و معارف میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فطری و خلقی جذبات کو شکست دے سکے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی راحت ابدی صرف انبیاء کی اطاعت میں منحصر ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ایمان لانا بہت سے لذائذ و مرغوبات کا ترک کر دینا اور بہت سے مکروہات میں اپنی جان کو مبتلا کر دینا ہے اس لئے قیدِ ایمان کی لذت سے یہ نا آشنا اپنے

ہاتھوں سے اپنے بازوئے آزادی کترتے ہوئے کبھی اتراتا اور کبھی کتراتا ہے۔

ابلیس کے علم وتصدیق کا حال تو مشہور ہی ہے۔

فرعون علم وتصدیق کے باوجود کفر کے جنون کا شکار

فرعون کی تصدیق کا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی سن لیں۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ. (بنی اسرائیل :۱۰۲)

’’آپ جان چکے ہیں کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان وزمین کے مالک نے سمجھانے کے واسطے۔‘‘

معلوم ہوا کہ فرعون جیسا شقی بھی نزولِ آیات کے منشاء کا صحیح علم رکھتا تھا مگر اس کے بعد بھی جو کفر اس نے کیا ہے کہ دنیا میں ضرب المثل نہیں؟ کیا اس کی وجہ بے علمی تھی؟ یا سارے جہاں پر اس کا علو و برتری کا جنون۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا. (قصص :۴)

’’فرعون ملک میں بڑائی کر رہا تھا اور وہاں کے لوگوں کو پارٹیاں بنا رکھا تھا۔‘‘

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. (النازعات :۱۷)

’’فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔‘‘

کفر کی سرکشی وطغیانی

اکثر کفار اسی طغیانی کے شکار تھے اور یہی وجہ ہے کہ جو بکواس انہوں نے نبی وقت کے بالمقابل کبھی کی ہے اس میں ایک حرف بھی ایسا نہیں کیا جس کو ایک صحیح الدماغ انسان ایک منٹ کے لئے نبوت میں قادح سمجھ سکتا ہو، صرف اپنے حسد وبغض کا مظاہرہ کیا ہے اور بس معلوم ہوا کہ اپنی جگہ ان کی نبوتوں میں کفار کو بھی شبہ نہ تھا اور نہ کبھی ایک دلیل تو ایسی بیان کرتے جو ان کی کفر یا تر دد کی کچھ تو پردہ پوشی کر لیتی ہے۔ آیاتِ ذیل کا بغور ملاحظہ کریں اور فیصلہ کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کہتی ہے۔

اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ. (شعراء : ۱۱۱)

”کیا ہم تیری فرمانبرداری کریں حالانکہ تیری پیروی تو ذلیل لوگوں نے کی ہے۔“

کیا اتباعِ ارذلین بھی صدقِ نبی کے منافی ہے یا کذبِ نبی کی کوئی دلیل بن سکتی ہے ہرگز نہیں۔ بات یہ تھی کہ متکبر اور مغرور انسان کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ ایک کمزور اور ذلیل انسان کو اپنے برابر یا اپنے نفس کو اس کے پہلو بہ پہلو دیکھ سکتے اور یہ وہ خوب جانتا ہے کہ اسلام اس کے اس فاسد جذبہ کو ہرگز پورا نہیں کر سکتا۔ وہ اس فرق کو اٹھا دینے کے لئے آیا ہے۔ یہی تو وجہ تھی کہ مشرکینِ عرب نے بھی سرور کائنات ﷺ کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ سعد بن ابی وقاص، ابنِ مسعود، خباب بن الارت، عمار بن یاسر، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان جیسے اور غرباء کو اپنی

مجلس سے نکال دیجئے تاکہ ہمارے آنے جانے کی جگہ ہو جائے۔اس پر قرآنِ کریم نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ. (سورہ انعام: ۵۲)

''اور مت دور کیجئے ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، چاہتے ہیں اس کی رضا آپ پر، ان کے حساب میں کچھ نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب میں ان پر کچھ ہے کہ آپ ان کو دور کرنے لگیں تو بے انصافوں میں ہو جائیں گے اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے، تاکہ کہیں، کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں کیا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا مغرورانہ جواب

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ.

(المؤمنون: ۴۷)

''کہا ہم ایمان لائیں ایسے دو آدمیوں پر جو ہم جیسے ہیں۔ اور ان کی قوم ہماری تابعدار ہے۔''

اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمرِکَ سِنِیْن. وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ. (شعراء:۱۸،۱۹)

"کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے یہاں لڑکا سا اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس اور تونے وہ کام کیا جو کیا اور تو بڑا ناشکرا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی متمردانہ تقریر

أَصَلٰوتُکَ تَأْمُرُکَ اَنْ نَتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا. (هود:۸۷)

"کیا تجھے تیری نماز اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت ترک کردیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے یا اپنے مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔"

مشرکین عرب کا ایک لغو اعتراض

لَوْلَا اُنْزِلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْم. (زخرف:۳۱)

"یہ قرآن ان دو بستیوں میں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ اتارا گیا۔"

ان بیانات کو پڑھ کر کیا آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کفار کو سچ مچ انبیاء کے متعلق کوئی شبہ درپیش تھا، کیا ان بیانات میں ان کے صدق وکذب پر کوئی بحث ہے یا

محض اپنے حسد و بغض کی ترجمانی ہے۔

مشرکین عرب کا ایک بے معنی عذر

اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا.(قصص)

"اگر ہم راہ پرآجائیں تیرے ساتھ تو اچک لئے جائیں اپنے ملک سے۔"

اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ.(زخرف:۲۳)

"ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور اب ہم انہی کے مقتدی رہیں گے۔"

کیا یہ ہیں وہ دلائل جو کسی رسول کی صداقت میں قادح ہوسکتے ہیں۔

عصبیت، نام نہاد، قومی غیرت بھی ایمان میں رکاوٹ

حافظ ابن تیمیہؒ یہ سب لکھ کر فرماتے ہیں کہ جناب ابوطالب کی محرومی کا باعث ان باتوں میں سے کوئی بات نہ تھی وہ تو بدل وجان آپ کے لائے ہوئے دین کی برتری کے لئے ہمیشہ ساعی رہے مگر تقدیر یہاں دوسرے راستہ سے آئی یعنی آبائی دین کے ترک پر قریش کا طعنہ ان سے برداشت نہ ہوسکا۔ تصدیق موجود ہے معرفتِ تامہ حاصل ہے، قدم قدم پر جاں نثاری ہورہی ہے یہ سب کچھ ہے مگر التزامِ طاعت کا ابھی ارادہ نہیں ہے۔ کیوں؟ تقدیر عصبیۃ جاہلیۃ اور

قومی غیرت اور مذہبی جمود کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اور آغوش اسلام میں آنے نہیں دیتی۔

معمولی نفع وضرر کی خام خیالی ایمان میں رکاوٹ

ان سب امور کے سواء ذلیل طبع افراد کے سامنے کبھی معمولی سے نفع وضرر کا سوال بھی آجاتا ہے اس لئے مقتضاءِ تصدیق پورا نہیں ہوتا۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِم يَقُولُونَ نَخشَى أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ أَن يَأتِيَ بِالفَتحِ أَو أَمرٍ مِن عِندِهِ فَيُصبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِم نَادِمِينَ. (مائدہ: ۵۲)

’’آپ دیکھئے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے ان میں دوڑ کر ملتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر زمانہ کی گردش نہ آجائے، سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح ظاہر فرمادے یا کوئی حکم اپنے پاس سے بھیجے تو اپنے دل کی (ان) پوشیدہ باتوں پر پچھتانے لگیں۔‘‘

ان تمام تفاصیل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ بسا اوقات تصدیقِ قلبی میسر آجاتی ہے مگر انسان کی طبعی غیرت یا قومی عصبیت ونخوت یا عزت ومال کی تھوڑی طمع اور اسی قسم کے دوسرے موانع باطنی انقیاد اور التزام طاعت سے مانع رہتے ہیں۔

نعوذ باللہ من شر الشیطان وشرکہ.

ایمان اور ضروریاتِ دین

جو چیز دین محمدی ﷺ میں داخل ہے وہ ایمانیات میں داخل ہے

یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ اس تصدیق وانقیاد کا دائرہ صرف ذات وصفات کے مسائل یا رسالت کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ رسول کے ہر ہر قول اور ایک ایک اشارہ کو شامل ہے، ارشاد باری ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. (بقرة:۲۰۸)

"اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے۔"

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسلمانوں کو شریعت کے ہر ہر جزء پر التزامِ طاعت کی دعوت دیتی ہے، خواہ وہ فرائض ہوں یا مستحبات، واجب علی الکفایہ ہوں یا علی الاعیان ۔ اگر اسلام کے فرائض علی الاعیان ہیں تو اعتقادِ فرضیت کے ساتھ ہر ہر شخص پر اس کا اداء کرنا بھی فرض ہوگا اور اگر واجب علی الکفایہ ہیں تو اس کے وجوب کا اعتقاد ضروری ہوگا اور اگر مستحبات ہیں تو اس کے استحباب کا اعتقاد لازم ہوگا۔ غرضکہ جس چیز کا دین محمدی میں داخل ہونا بداہۃً معلوم ہو چکا ہے وہ سب ایمانیات میں داخل ہیں اور کیوں نہ ہوں کیا ایمان رسولِ خدا ﷺ کی مطلقاً فرمانبرداری کا نام نہیں؟ کیا التزامِ طاعت میں بھی کوئی تفصیل ہے؟ اگر رسول ﷺ کا فرمان اس لئے واجب العمل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا پیغمبر ہے جو کہتا ہے

وہ حق ہی کہتا ہے تو پھر انقیاد و تسلیم کا دائرہ اس کے سب اوامر ونواہی پر کیوں محیط نہ ہو، ہاں یہ ضرورت ہے کہ زمانۂ رسالت میں چونکہ وسائط نہ تھے، ہر بات براہِ راست سنی جاتی اور دریافت کی جاتی تھی اور اگر وسائط تھے بھی تب بھی اس کی تحقیق بلاواسطہ ممکن تھی اس لئے التزامِ طاعت بلا استثناء لازم تھا لیکن بعد میں سند کا طویل سلسلہ حائل ہوگیا۔

جرح وتعدیل کے بے شمار مباحث نے احادیث میں ضعیف وقوی کی تقسیم پیدا کردی اس لئے اب یہ بحث قائم ہوگئی کہ کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کیا چیزیں ایمانیات میں داخل نہیں۔ جواب اب بھی وہی ہے یعنی جو فرمانِ رسول ہے اس سب کا ماننا فرض ہے مگر اب اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہ بات درحقیقت رسولِ خدا کی فرمودہ بھی ہے؟ اس لئے علماء نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ جس چیز کا دینِ محمدی ﷺ میں ہونا اتنا روشن ہوجائے کہ محتاجِ دلیل نہ رہے ان سب کا ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے۔

اسی کو ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے۔ مثلاً فرائضِ خمسہ، زکوٰۃ، حج، روزہ، آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہونا۔ عذابِ قبر، قیامت، قرآنِ کریم وغیرہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جس کے ثبوت میں دلائل کی حاجت نہیں بلکہ کفار بھی ان چیزوں کا دین میں داخل ہونا جانتے پہچانتے ہیں اس لئے اس کا انکار اسی طرح کفر ہوگا جیسا کہ توحید یا رسالت کا۔

اعتماد، تصدیق (نفیس بحث)

چونکہ علماء نے ایمان کی تعریف میں عموماً تصدیق کا ہی لفظ ذکر کیا ہے اس لئے عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ایمان گویا تصدیق کے مرادف ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن وسنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل تھا اس کی تشریح کے لئے بس تصدیق کا لفظ کافی سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان ہر دو لفظوں میں بہت بڑا فرق ہے اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ان احادیث وآیات کی اصل مراد ہی ہاتھ نہیں آسکتی۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا خدا بھلا کرے جنہوں نے اس ضروری فرق کو بیان فرما کر ان بے شمار آیات واحادیث کی معانی سے حجابِ غفلت اٹھا دیا ہے، اوران کی صحیح مرادیں ہمارے سامنے واضح کردی ہیں۔ ضروری ہے کہ پورے اعتناء کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے اس لئے امانت واعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظِ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں ہے اس لئے ہر خبر میں خواہ وہاں مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو تصدیق کا لفظ یکساں مستعمل ہوسکتا ہے، ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہیگا جو اپنی چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں کیونکہ یہاں اگر تصدیق کی جائے گی تو وہ صرف مخبر کی امانت ودیانت، اس کے اعتماد وثوق کی بنا پر کی جائے گی، اسی لئے اگر ایک شخص طلوعِ آفتاب یا فوقیتِ آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں ''آمَنْتُ'' نہیں کہہ

سکتے، یہ دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لغۃً ایک دوسرے کی تصدیق کے لئے "صدق احدھما صاحبہ" کہا جاتا ہے۔ "امن لہ" نہیں کہا جا سکتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لئے دوسرے پر اعتماد ووثوق کی کیا ضرورت ہے، یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے، اس لئے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واپس آکر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں جب اپنے بھائی کے قتل کا غلط افسانہ عرض کیا تو

وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا. (یوسف :۱۷)

کہا:

وما انْتَ بمصدّقٍ لنَا.

نہیں کہا، چونکہ یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی عدم موجودگی میں تیار کیا گیا تھا، اس لئے اگر وہ اس کی تصدیق کر سکتے تو صرف ان کے اعتماد ووثوق کی بناء پر کر سکتے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لئے اس بے اطمینانی و بے اعتمادی کے موقعہ پر

وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا.

سے زیادہ خوبصورت لفظ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو تو کیونکر خود آپ تشریف فرما نہ تھے اور ہم پر آپ کو اطمینان واعتماد نہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہیں ہم سچے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق کو

قرآن کریم نے اسی لفظِ ایمان سے ادا کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْط.

یہاں بھی،

فصدّق لهٗ لوط.

نہیں فرمایا۔

ایمان بالغیب کا تصوّر

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورۂ بقرہ میں

یومنون بالغیب.

کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے یہاں غیب کا لفظ صرف بطورِ بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے، مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر یہ حقیقت پورے طور پر سمجھ لی جاتی تو اخبارِ غائبہ میں بحث وتمحیص کا ایک مرحلہ بڑی حد تک ختم ہو جاتا، ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق ہے تو کس چیز سے وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات پہلے اس طرح معقول بنائے جائیں کہ پھر ان کی تصدیق کے لئے اعتمادِ رسول کا واسطہ ہی نہ رہے

اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال وافعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ اسی تسلیم ورضا میں انسانی عقول کی آزمائش ہے۔ پختہ کار جانتا ہے کہ ایک صادق القول پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دلیل اطمینان بخش نہیں ہو سکتی مگر ایک ناتمام کار اپنی نارسائی اور بے شعوری کے باوجود دلائل کے بغیر شفاء حاصل نہیں کرتا۔

عقل انسانی مغیبات کے علم میں بے بس!

حالانکہ دلائل کا راستہ سراسر تردد وشبہ کا راستہ ہے، عقلِ انسانی اگر غائبات پر ایک طرف کوئی دلیل قائم کر بھی لے تو دوسری عقل اس کے خلاف پر دلائل قائم کرنے سے عاجز نہیں رہ سکتی، یہی وجہ ہے کہ آج تک عقلاء میدانِ بحث میں کبھی کسی امر پر متفق نظر نہیں آتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف دلائل کا دروازہ کھٹکھٹاتے نظر آتے ہیں۔ آئے دن ان کی تحقیقات کی دنیا بدلتی رہتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسی ایک عالمِ حیات سے دوسرے عالمِ جہالت کی طرف منتقل ہونے کا نام (ریسرچ) اور تحقیق رکھ لیا جاتا ہے کاش کہ صاحبِ وحی کی ریسرچ پر اعتماد ووثوق کر لیتے تو یہ عمر عزیز ساحل کی تلاش میں یوں مفت برباد نہ ہوتی حقیقت کا راستہ شریعت نے ٹھیک بتا دیا ہے۔ اب جو کام ہمارا رہ جاتا ہے وہ اس پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچ جانا ہے اور بس۔

ایمان بالغیب کا راستہ بس یہی ایک راستہ ہے جس میں روح کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے ماسوا جس قدر راہیں ہیں وہ تذبذب کی راہیں ہیں،

تردد کی راہیں ہیں، نہ روح کے لئے ان میں کچھ تسلی ہے نہ نفس کو کچھ تشفی۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَاتَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ. (انعام :۱۵۳)

”یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو، دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو، کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کردیں گے۔“

مذکور بالا بیان کا مقصد غور وفکر کی راہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ایک دائرہ بتلانا ہے اس کا نام عقل کا تعطل نہیں بلکہ طریقِ استعمال کی صحیح تعلیم ہے، آیات آفاقی وانفسی کا دائرہ کیا کم ہے کہ اسے چھوڑ کر عالمِ غائبات پر اٹکل کے تیر چلائے جائیں جو دار العمل ہے اس میں خوب غور کرو اور جو دار الجزا ہے اُسے احکم الحاکمین کے حوالہ کردو۔

عالمِ غیب اور دلائل

جب تک ایمان کا مقامِ انقیاد میسر نہیں آتا، آپ کو حجت بازی کا موقعہ رہتا ہے لیکن جب رسالت کی تصدیق دلیل یا بے دلیل حاصل ہوگئی تو اب انقیادِ باطن کا یہ نازک مقام زیادہ لن ترانیوں کا متحمل نہیں رہتا اور آپ کا صرف ایک یہی فرض رہ جاتا ہے کہ رسول کہے اور آپ خاموش ہو کر سنیں، وہ حکم دے اور آپ مانیں اور کیوں نہ مانیں اگر قلب طوقِ غلامی پہن چکا ہے تو زبان کو سرتابی کا حق کیا ہے۔

بقولِ غالب............

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زبان کیوں ہو

رسول کی تصدیق کا بھی دعویٰ ہے پھر بات بات پر شہادت اور محبت بازی کی خلش بھی جاری ہے کیا بیک وقت یہ دو متضاد باتیں نہیں؟ کیا وثوق اور اعتماد اسی کا نام ہے کہ رسول جو کہتا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ دلائل و براہین سے وہ ہمارا منہ بند نہ کردے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِنهُم مِن بَعدِ ذٰلِكَ وَمَا أُولٰئِكَ بِالمُؤمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحكُمَ بَينَهُم إِذَا فَرِيقٌ مِنهُم مُعرِضُونَ وَإِن يَكُن لَهُمُ الحَقُّ يَأتُوا إِلَيهِ مُذعِنِينَ أَفِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ أَمِ ارتَابُوا أَم يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيهِم وَرَسُولُهُ بَل أُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ إِنَّمَا كَانَ قَولَ المُؤمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحكُمَ بَينَهُم أَن يَقُولُوا سَمِعنَا وَأَطَعنَا وَأُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ. (النور: ۴۷ تا ۵۲)

”اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو اور رسول کو مانا اور ہم ان کے فرمانبردار بن گئے۔ اس کے بعد پھر ان میں سے ایک جماعت پھر جاتی ہے، اور وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف تاکہ ان میں فیصلہ کرے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑ لیتا ہے مگر ان کو کچھ ملتا ہو تو اس کی طرف (فوراً) چلے آئیں، قبول

کرکے، کیا ان کے دلوں میں (کوئی) روگ ہے یا دھوکہ میں پڑے
ہوئے ہیں، یا ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول بے انصافی
کرے گا، کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات
یہی تھی کہ جب اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کے لئے بلائے
جائیں تو کہیں ہم نے سنا اور حکم مان لیا۔ اور کامیاب یہی لوگ ہیں۔"

اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے۔ (اتحاف: ج ۲، ص ۲۴۷)

ایمان ایک غیر معمولی تصور دیتا ہے

اب آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ ایمان کا وجود ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی معمولی تصور نہیں ہے جس کی حیثیت صرف ایک خواب وخیال کی سی ہو بلکہ قلبِ انسانی پر یہ وہ نقش ہے جو ایک لمحہ میں آبائی عقائد کے سب نقوش محو کر دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مفاخر آنکھوں میں معائب نظر آنے لگتے ہیں حتی کہ طعام وشراب، وضع وقطع، رفتار وگفتار سب میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے بلکہ سمع وبصر، ذوق وشم یعنی حواسِ خمسہ کی دنیا منقلب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو نغمہ پہلے دلکش تھا جو صورت پہلے دلفریب تھی، جو کھانا لذیذ معلوم ہوتا تھا، جو خوشبو بھلی لگا کرتی تھی، اب اسی نغمہ میں وہ دلکشی، اسی صورت میں وہ دلبری، اُسی کھانے میں وہ لذت، اسی خوشبو میں وہ کشش باقی نہیں رہتی، مدتوں کی صحبت سے طبیعت اگر کبھی مچلتی بھی ہے تو دل اندر ہی اندر سمجھانے لگتا ہے اور آخر تصدیقِ قلبی کی مضبوط کڑیاں آئینِ اسلام سے

ادھر اُدھر جانے نہیں دیتیں۔

نفس چاہتا ہے کہ قدیم لذائذ کا پھر مزہ لوٹے مگر صفتِ انقیاد کا ذائقہ انہیں بے مزہ بنائے دیتا ہے۔ اسی لئے ہمارے فقہاء نے کفر کے بعد اسلام کو ایک حیات نو سمجھا ہے اور کفر و اسلام پر بہت سے ایسے احکام متفرع کر دیئے ہیں جو حقیقی موت وحیات پر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے کفر و اسلام کی یہ معمولی تبدیلی انسان کے آخرت کی تبدیلی بن جاتی ہے اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالمِ نعمت کو عالمِ نعمت سے اور عالمِ عذاب کو عالم ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہئے کہ آج عالم کفر کو عالم اسلام سے بدل لے۔ قدرت کے اس دستِ فیاض پر قربان جس نے عالم فانی کی اس ترمیم سے عالم جاودانی کی ترمیم کا وعدہ فرمالیا ہے بلکہ اس ابدی مقام کو اس عارضی ترمیم کا تابع بنا دیا ہے۔

ایمان کی نورانیت کے کرشمے

اسی طرح ایمان بھی ابتداء گو تصدیقِ قلبی کا نام ہے مگر یہ تصدیق اعمالِ صالحہ کے آبیاری سے نشو ونما پا کر ایک نور کی سی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہی نور ایمان کا وجودِ عینی کہلاتا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ایمان بلا علم وعمل کے پختہ نہیں ہو سکتا۔

امام ابن ابی شیبہؒ اور امام بیہقیؒ اور امام ابو عبیدؒ اور امام اصبہانیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل

پر قلب میں نمودار ہوتا ہے اور جتنا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایمان مکمل ہوجاتا ہے تو سارا قلب سفید ہوجاتا ہے یہی حال نفاق کا ہے کہ پہلے سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور بالآخر تمام قلب سیاہ ہوجاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک مؤمن کا قلب نکال کر دیکھو تو بالکل سفید پاؤ گے اور ایک منافق کا قلب دیکھو تو بالکل سیاہ دیکھو گے۔ لیکن معانی کے اس تجسد کے مشاہدہ کے لئے وہی تیز آنکھیں درکار ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔

فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْد

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت رسولِ خدا ﷺ کا سینۂ مبارک شق کیا گیا تھا تو ایک طشت ایمان وحکمت سے لبریز لایا گیا اور اسے آپ کے صدر مبارک میں رکھ دیا گیا تھا۔ عجب نہیں کہ اس سے مراد ایمان کا یہی وجود عینی ہو۔ انبیاء کے کمالات اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ قدرت اسی طرح ان کے منازلِ کمالات خود طے کرادیتی ہے۔

یہ نورِ تصدیق جس قدر رسوخ پیدا کرتا جاتا ہے اتنا ہی خواہشاتِ نفسانیہ کے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر یہ نور اور منبسط ہوتا جاتا اور پھیلتا جاتا ہے شدہ شدہ یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ انسان کے تمام جوارح کا احاطہ کرلیتا ہے اور یہ مؤمن گویا خود ایمان مجسم بن جاتا ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ خدا یاد آنے لگتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؒ (بفتح غین وسکون نون) اور اسماء بنت یزید فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہتر بندے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے تو خدا یاد آجائے۔

ایمان کی بدولت قلب مؤمن پروردگار کی تجلی گاہ

اس نور کی وسعت کی بقدر اوامر الٰہیہ کے امتثال اور محظوراتِ شرعیہ سے اجتناب کا جذبۂ عمل پیدا ہوجاتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ زائل ہوجاتے ہیں اور اخلاقِ فاضلہ اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور قلب کو وہ وسعت میسر آجاتی ہے کہ سارا عالم اس کے پہلو میں مثل ایک نقطہ کے نظر آنے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مؤمن کا یہ وہ قلب ہے جو اس کے پروردگار کی تجلی گاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَام فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ. (زمر: ۲۲)

"بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کے لئے کھولدیا سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔"

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ.

(انعام: ۱۲۵)

"جس کسی کی ہدایت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔"

یہ شرح صدر بھی گو ایک معنیٰ ہیں جس کا مطلب صرف اسلام کا

فراخدلی سے بلا پس و پیش قبول کر لینا سمجھا جا سکتا ہے مگر اس معنیٰ کا بھی ایک وجودِ عینی ہے وہ صرف یہ معنوی فراخی نہیں بلکہ وہ وسعت ہے جو مؤمن کامل اپنے قلب میں حساً بھی مشاہدہ کرتا ہے اب حضرت رسالت ﷺ کے حق میں شرح صدر کا جو مصداق ہوسکتا ہے اس کا خود اندازہ کرلو۔ قرآن امتنان کے لہجہ میں فرماتا ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ. (انشراح : ۱)

''کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولدیا۔''

نورِ ایمانی کی ظاہری علامات

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب نورِ یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہوجاتی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کی کچھ علامت بیان فرمایئے۔ ارشاد ہوا اس کی تین علامتیں ہیں۔

(۱) آخرت کی طرف میلان　(۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی　(۳) موت سے پیشتر اس کی تیاری۔

یہ ہے ایمان کا وجودِ عینی۔ یہی دعوتِ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہے اور اسی پر نجاتِ مطلقہ (یعنی بلا عذاب) اور فلاحِ ابدی کا مدار ہے۔ اس ایمان کے بعد مومن کا کان ''رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ'' کی پُر کیف صدا سننے لگتے ہیں۔ اس مؤمن کو اگر جلا کر خاک بھی کر دیا جائے، اس کے جسم و جان کو ریزہ ریزہ کردیا جائے تو بھی اس کے ذرہ ذرہ سے اسی ایمان کی صدا بلند ہوگی۔ یہ

ایمان صرف ذہنی اور عقلی نہیں رہتا بلکہ دیگر محسوسات کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے اس کا نور آنکھیں دیکھتی ہیں۔

سِيۡمَاهُمۡ فِيۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ. (فتح : ۲۹)

''سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی علامت (ظاہر) ہے۔''

قلب پر حلاوت ایمانی کے اثرات

قلب اس کی حلاوت اور شیرینی اس طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسا کہ زبان مٹھائی کی۔ یہ ایمان فطرتِ انسانی کا ایک مقتضا بن جاتا ہے اور جس طرح فطری خصائل زوال پذیر نہیں ہوتے اسی طرح یہ ایمان بھی زوال کے خطرہ سے بڑی حد تک مامون رہتا ہے۔

ہرقل جو بہت بڑا عالمِ کتاب تھا اسی وجود عینی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے اپنے دوران مکالمہ میں ایک سوال ابوسفیان سے یہ بھی کیا تھا کہ اس پر ایمان لاکر کیا کوئی شخص مرتد ہوتا ہے، اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا۔ یہ سن کر ہرقل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا خوب پتہ دیتے ہیں۔

وکذلک الایمان اذا خالطت بشاشة القلوب.

''یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوٹ دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔''

یہ ایمان کے وجود عینی ہی کی طرف اشارہ ہے اسی کا نام ایمانِ کامل ہے اسی کو

معرفت بھی کہا جاتا ہے، علوم ابتداء میں صرف علوم رہتے ہیں مگر کچھ رسوخ کے بعد قلب میں اپنا ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد قلب میں لطف اندوزی یا انقباض کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اس وقت ان کا نام حال ہو جاتا ہے پھر اگر ترقی کر کے یہ لون اور رسوخ اور پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اسی کا نام معرفت بن جاتا ہے اور اسی کو مرتبہ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ علوم کی انتہائی معراج ہے۔ پھر اس معرفت میں بے نہایت مراتب و مدارج ہیں اور ان ہی مراتب کے لحاظ سے مؤمنین کا تفاضل ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ. (الحجرات: ۱۳)

”عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو تم میں کا زیادہ پرہیز گار ہو۔“

عمل و ایمان کا توازن

ایک ظاہر بین صرف عمل پر نظر رکھتا ہے اور اسی پر افضلیت اور مفضولیت کا فیصلہ کر ڈالتا ہے، مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ اصلی روحِ انقیاد باطن ہے اور عمل اس کا صرف ایک قالب اور ڈھانچا ہے اس لئے اس کی نظر قوتِ ایمانیہ پر ہوتی ہے اور یہی اس کا معیارِ فضیلت رہتا ہے صحیح احادیث میں سرورِ کائنات ﷺ کا ایک خواب مذکور ہے کہ گویا کنویں پر ایک ڈول پڑا ہے۔

پہلے میں نے (جب تک خدا نے چاہا) اسے کھینچا میرے بعد پھر اسے ابوبکر ؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈول نکالے مگر کچھ ضعف کے ساتھ پھر اُن سے عمر فاروق ؓ نے لیا تو اس قوت سے ڈول کھینچے کہ اونٹ والوں نے اپنے اونٹوں کے پانی پی کر بیٹھنے کی جگہ وہاں تیار کر لی۔ بعض علماء نے یہاں ضعف سے ابوبکر ؓ کی

مدتِ خلافت مراد لی ہے۔اور بلاشبہ یہ مدت بہ نسبت خلافت عمرؓ کے نہایت قلیل تھی مگر کسی نے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ جو عملی شدت وشوکت عہدِ فاروقی میں نظر آئی وہ عہد صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔شاید اسی خصوصیت کے پیشِ نظر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ معزز رہے اور کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اب اگر تسلیم کرلیں کہ عملی قوت کے لحاظ سے عمر فاروق ؓ حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ تھے تو یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قوتِ ایمانی کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے کہیں فائق تھے۔نبی کریم ﷺ کے حادثۂ انتقال پر عمر فاروق ؓ کی بے صبری واضطراب اور حضرت ابوبکرؓ کا صبر واستقلال تاریخی واقعہ ہے۔جب قوائے عملیہ جواب دیدیتے ہیں تو ایسے ہی وقت قوتِ ایمانیہ کا امتحان ہوتا ہے اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی قوتِ ایمانیہ نے فاروقِ اعظمؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس جاں گداز واقعہ نے ان کو کتنا اور مدہوش بنادیا ہوتا۔

خدا ہی جانے کہ اس ہنگامہ بے صبری میں ابوبکرؓ کی زبانی وہ چند کلمات کیا تھے جن کے بعد جلتے ہوئے سینوں کی آگ بجھ گئی، مدہوش عقول کو ہوش آگیا اور جو موت کا لفظ سننے پر قادر نہیں تھے تجہیز وتکفین میں مشغول ہوگئے، اگر ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانیہ اس طرح قلوب کی کایا نہ پلٹ دیتی تو نہیں معلوم واقعات کہاں تک نزاکت اختیار کرلیتے، ایسے نازک دور میں صحابہؓ کی جماعت میں بجلی

کی طرح یہ انقلاب پیدا کر دینا، صدیق اکبرؓ کی فضیلت کی وہ بروقت دلیل تھی جس کے بعد بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دینا ہر مسلمان کا ایک اضطراری فرض ہو گیا تھا اور یہ وہ وقت تھا جبکہ عمل و ایمان کا توازن عالم میں آشکارا ہو رہا تھا۔

قوت اور وزن ایمان میں نہ کہ عمل میں

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ساری دنیا گویا ایک دن ہے جس میں امتِ محمدیہ کا وقت صرف عصر سے غروب تک ہے اور دوسری امتوں کا فجر سے ظہر تک، مگر قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مزدوری امتِ محمدیہ کو دوسری امتوں سے دوگنی ملتی ہے۔ بات وہی ہے کہ مدارِ قوتِ عمل پر نہیں بلکہ قوتِ ایمان پر ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران: ۱۱۰)

”تم سب امتوں میں اس لئے افضل ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا شیوہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہو۔“

آیتِ مذکورہ نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ کچھ افراد کا نہیں بلکہ جماعات و امم میں بھی فضیلت کا قانون وہی ایک ہے اس کے بعد اگر انبیاء کی سوانح پر غور کرو تو جو مدتِ عمل خاتم النبیین ﷺ کو مرحمت ہوئی وہ صرف چند سال ہیں اور جو زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا وہ بنصِ قرآن ہزار سال تھے پھر کون نہیں

جاننا کہ فضیلت کا تاج کس کے سر پر ہے۔ الغرض افراد و امم اور انبیاء علیہم السلام میں افضیلت کا ایک ہی قانون ہے یعنی روح اور الٰہی معرفت بلکہ جہاں یہ روح نہیں وہاں عمل کی کوئی قیمت نہیں۔

فَلَانُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا. (کہف: ۱۰۵)

"قیامت میں ہم کفار کے اعمال کے لئے کوئی ترازو قائم نہیں کریں گے۔"

سرورکائنات ﷺ ایک دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں کہ مجھے ساری امت کے بالمقابل تولا گیا تو میرا پلڑا بھاری رہا پھر اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رکھا گیا تو اسی طرح ساری امت سے وہ بھاری ہے۔ اس کے بعد پھر عمر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو وہ سب سے وزنی رہے۔ یہ وزن نبی کی اسی قوتِ ایمانی کا تھا جس کے مقابل ساری امت ہیچ نظر آئی۔ پھر اسی مناسبت سے ابوبکر و عمر کو قیاس کرلو۔

بہرحال احادیث کا بے شمار ذخیرہ اسی طرف رہبری کرتا ہے کہ اصل قیمت انقیادِ باطن کی ہے اور پھر اسی کے بقدر عمل کا وزن اور انسان کا فضل ہے۔

ایمان اور معرفت

جہم بن صفوان امام اعظمؒ کا ہمعصر صفاتِ باری تعالیٰ کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ایمان صرف معرفتِ قلبیہ کا نام ہے، زبان سے اقرار کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس

کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے انکار بھی کر گذرے مگر اس کو معرفت قلبی حاصل ہو تو مؤمن کامل رہ سکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور یہی ایک مسئلہ نہیں بلکہ اور مسائل میں بھی اس کے ساتھ آپ کے مناظرے تصانیف کھلے طور پر موجود ہیں۔ مگر اس پر بھی بعض نامنصف قلم حنفیہ کے سر جہمیہ کی تہمت تھوپنے سے باز نہ آئے۔ تاریخ میں حنفیہ پر یہ پہلا ظلم نہیں بلکہ وہ اس قسم کے مظالم کے ہمیشہ تختۂ مشق بنے رہے ہیں۔ اگر ان بے محل انتسابات کے وجوہ واسباب پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف بن سکتی ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ ہے کہ اگر تاریخ حنیفہ پر یہ جور وستم روا رکھتی ہے تو رکھے مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس کی یہ ناانصافی برابر دہراتے رہیں۔

کتب کلام کی ورق گردانی کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہمیہ کے ساتھ حنفیہ کو مرجئہ بھی کہا گیا ہے لیکن اگر ذرا تحقیق سے کام لوگے تو روشن ہو جائے گا کہ حنفیہ کا دامن اس تہمت سے بھی قطعاً پاک وصاف تھا۔ فروعی اور اجتہادی مسائل میں اگر اختلاف ہو تو ہونا چاہئے مگر غم اس کا ہے کہ دین کے وہ اصولی مسائل جن میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہئے اور نہ درحقیقت کوئی اختلاف تھا پھر عجلت پسند طبائع نے کیوں ان کا ایک غلط افسانہ تیار کر دیا۔ خدا بھلا کرے حافظ ابن تیمیہؒ کا کہ اپنی کتاب الایمان میں وہ ایک سطر لکھ گئے ہیں۔

ومما ینبغی یعرف ان اکثر التنازع بین اھل السنة فی ھذہ المسئلة ھو نزاع لفظی. (ص/۱۱۹، ۸۸)

''یعنی یہ بات ضروری طور پر پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ اہلسنت والجماعت میں ایمان کے مسئلہ کے متعلق جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں درحقیقت وہ صرف نزاع لفظی ہیں۔''

ایک غریب عالم کی محنت اور جانفشانی کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اپنی پرسکون راتوں کو دن بنا بنا کر ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرلیتا ہے اور جب کسی نتیجہ کے لئے اس کا قلب مضطر ہونے لگتا ہے تو کسی مصنف کی ایک سطر اس کے سارے منصوبے کو یہ کہہ کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔

بہرکیف! محدثین فقہاء، متکلمین، اشاعرہ، ماتریدیہ اور فرق باطلہ کے اختلافات اور پُر پیچ مباحث کی تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے اس بحث کا اختتام کیا جاتا ہے۔ آئندہ کے درسوں میں (انشاءاللہ) احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایمان کے مبادی، اساس، اور صفات وعلامات کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کیا جائے گا یہ دروس حصہ دوم کے طور پر شائع ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

ایمانِ کامل کے تقاضے

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرۃ مولانا عبد الواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبد اللہ

کرامی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

تین کام کامل ایمان

عن عمار بن یاسر رضی الله تعالیٰ عنه قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاث من جمعهن فقد جمع الایمان (۱) الانصاف من نفسک. (۲) بذل السلام للعالم، (۳) الإنفاق من الأقتار.

''حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے یہ تین باتیں اپنے اندر جمع کرلیں، تو اس نے اپنے اندر کامل ایمان جمع کرلیا۔ (۱) تیرے نفس کے ہر ہر پہلو سے عدل وانصاف کا ظاہر ہونا۔ (۲) عالم انسانیت کے لئے امن وسلامتی کا نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا۔ (۳) فقر وغربت کے باوجود انسانیت کے مفاد کے لئے خرچ کرنا۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمدہ علیٰ ما انعم وعلّمنا مالم نعلم
والصّلوٰۃ علیٰ افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ
وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

تکمیلِ ایمان کے تقاضے

دنیا کے مشہور مذاہب اور مہذب فلسفوں پر مبنی مختلف معاشروں کے قوانین کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرے کا ایک ایک فرد متعین دائرے میں رہ کر اپنے اپنے حقوق وفرائض کی انجام دہی کرے تاکہ انسانی معاشرہ ہمہ جہت ترقی کر سکے۔ اس ہمہ جہت ترقی کا دارومدار اس معاشرے کے فکر وفلسفے پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کا فکر وفلسفہ اجتماعی مفاد کا حامل ہے تو اس کے ثمرات ونتائج بھی پورے معاشرے کی فلاح وبہبود کے لئے ہوں گے۔ اگر اس کا فکر وفلسفہ چند افراد کے ذاتی مفادات کا حامل ہو تو اس کے نتائج بھی اس معاشرے میں ظلم،

بدامنی، بھوک، استحصال اور انتہاپسندی کی صورت میں نکلیں گے۔

ہم مسلمان اسی فکر و فلسفے کو اپنی مذہبی زبان میں ''ایمان'' کہتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت اور اس کے جامع فکر و فلسفے کو ایک حدیث مبارک میں بڑے مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاث من جمعھن فقد جمع الایمان (۱) الانصاف من نفسک. (۲) بذل السلام للعالم، (۳) الإنفاق من الأقتار.

''حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے یہ تین باتیں اپنے اندر جمع کرلیں، تو اس نے اپنے اندر کامل ایمان جمع کرلیا۔ (۱) تیرے نفس کے ہر ہر پہلو سے عدل و انصاف کا ظاہر ہونا۔ (۲) عالم انسانیت کے لئے امن و سلامتی کا نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا۔ (۳) فقر و غربت کے باوجود انسانیت کے مفاد کے لئے خرچ کرنا۔''

فائدہ:

ایمان کی تکمیل اور ہمہ جہت ترقی اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک مندرجہ بالا تین معاشرتی تقاضے پورے نہ کئے جائیں۔ ایمان کی تکمیل و ترقی کے یہ تینوں معاشرتی تقاضے قرآن و حدیث میں مختلف پیرایوں میں متنوع انداز میں بیان کئے

گئے ہیں۔

تکمیلِ ایمان کے یہ معاشرتی تقاضے مسلمانوں کو خصوصی طور پر اور پوری انسانیت کو عمومی طور پر برملا یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسلام محض ایک ایسی فکر کا نام نہیں ہے، جس کا تعلق معاشرے کے اعمال سے نہ ہو۔ اور نہ محض ایسے اعمال کا نام ہے، جس کے پیچھے انسان دوستی پر مبنی فکر و فلسفہ کارفرما نہ ہو۔ چنانچہ اسی دعوت فکر و عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے اسی موضوع پر قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں تاکہ موجودہ فرسودہ اور ایمان کے تقاضوں سے غیر ہم آہنگ معاشرے کی جگہ امن وسلامتی کے معاشرے کے لئے تدبیر اور سامان مہیا کیا جاسکے۔

معاشرے میں عدل وانصاف کا قیام

ایمان کی تکمیل کا پہلا معاشرتی تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان جماعت معاشرے میں عدل وانصاف کا سسٹم قائم کرے۔ اسی کو قرآن پاک نے تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ .(الحديد : ۲۵)

"البتہ تحقیق ہم نے تمام رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور ان پر کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ وہ انسانیت میں عدل وانصاف کا سسٹم قائم کریں۔" (سورۃ الحدید: ۲۵)

معاشرے میں عدل کا قیام اسلام کے فکر و فلسفے کا بنیادی نظریہ ہے۔ اور اس نظریے پر قائم نظام پوری انسانیت کی خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں کسی سطح پر بھی طبقاتی مفاد اور تقسیم کی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ تقسیم مذہب و فرقے کی بنیاد پر ہو یا وہ رنگ و نسل اور سرحدوں کی بنیاد پر ہو۔ عدل کا دشمن ظلم ہے۔ ذاتی اور اجتماعی طور پر ظلم کرنا یا ظلم کے معاشرے کو قبول کرنا، ایمان اور انبیاء کی بعثت کے مقصد کے منافی ہے۔ ظالم اور طاغوتی سسٹم کی نشان دہی کرتے ہوئے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا، عدل کے قیام کی طرف پہلا قدم ہے۔ ورنہ ظلم کے خلاف اٹھنے والی بہت سی نام نہاد جماعتیں اپنے اصل راستے سے ہٹا دی جاتی ہیں۔ اور بیچارے کارکنوں کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا کہ وہ منزلِ مقصود کے قریب ہوتے جا رہے ہیں یا کوسوں دور۔ مسلم معاشروں میں وہ کیسے خود ساختہ رہنما ہیں، جو ایک طرف عدل و انصاف کے آقاؤں کی گود میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ منافقت اسلام کے عالمگیر فکر و فلسفے کے منافی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۝ (سورۃ نحل ۳۶)

"البتہ تحقیق ہم نے ہر قوم میں رسولوں کو بھیجا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت سے دور رہیں۔" (۱۶:۳۶)

عالم انسانیت کی امن وسلامتی کا نظام قائم کرنے کے لئے جد وجہد کرنا

ایمان کی تکمیل کا دوسرا معاشرتی تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان جماعت امن وسلامتی کا نظام قائم کرے۔ اور یہ نظام پوری انسانیت کے امن وسلامتی کا علم بردار ہو۔ امن کا دشمن خوف ہے۔ مسلمان جماعت معاشرے میں ایسا سیاسی نظام قائم کریں کہ انسان کی جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ یقینی ہو۔ اگر سیاسی یا مذہبی جماعتیں اپنی مزعومہ سیاسی طاقت کی بنیاد پر معاشرے میں خوف وہراس پھیلائیں اور فرقہ واریت کو فروغ دیں تو یہ سراسر ایمان کے معاشرتی تقاضوں کے خلاف ہے۔ عوام میں محبت واخوت اور رواداری وبرداشت پیدا کرنا اور معاشرے کی مختلف اکائیوں کو ایک ہی لڑی میں پروئے رکھنا اسلام کے سیاسی نظام کا ہدف اول ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا

''اور اللہ نے ان کو خوف سے امن دیا۔''

فقروغربت کے باوجود انسانیت کے مفاد کے لئے خرچ کرنا

ایمان کی تکمیل کا تیسرا معاشرتی تقاضا معاشرے میں ایسا معاشی نظام قائم کرنا ہے کہ جس سے عوام دن بدن خوش حالی کی طرف برابر آگے بڑھتی رہے۔

مسلمان جماعت کا ایمان ہے کہ دنیا کے تمام وسائل کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس نے تمام انسانوں کو ان وسائل سے استفادہ کرنے کا حق سب کو برابر دے رکھا ہے۔ کسی مال پرست انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق پر شب خون مارے۔ اس لئے ایسا معاشی نظام جو اللہ کے عطا کردہ وسائل کو چند مخصوص افراد میں مرکوز کردے اور عوام کو بنیادی ضروریات تک مہیا نہ کرے، وہ اسلام کا معاشی نظام نہیں ہے۔ بلکہ وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام ہے جو عوام کو اپنے اعضا اور بچوں تک کو بیچنے پر مجبور کردیتا ہے۔

اس طرح قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمان جماعت کے ایمان کا لازمی نتیجہ انسانی معاشرے میں عدل، امن اور معاشی خوش حالی کی صورت میں ظاہر ہونا چاہئے۔ گویا کہ مسلمانوں کا فکر اور فلسفہ انسانیت کو ان تین حوالوں سے مکمل طور پر مطمئن کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ افسوس کہ آج مسلمان ایمان کے ان معاشرتی تقاضوں سے غافل ہوگئے۔ اور قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمان جماعت کے بنیادی اور اخلاق رویوں سے محروم ہوگئے۔ آج ضرورت ہے کہ ان ایمانی تقاضوں کو مجموعی طور پر سوسائٹی میں غالب کرنے کی شعوری حکمتِ عملی ترتیب دی جائے۔ اپنی نوجوان نسل کو دین اسلام کے

ان معاشرتی تقاضوں سے روشناس کرانے کے لئے شعوری محنت کی ضرورت ہے۔

ایمان کی اساس (بنیاد)

ہر چیز کے وجود میں آنے کے لئے کچھ شرائط ذرائع اسباب ہوا کرتے ہیں اس اصول کی روشنی میں ہمیں اس کا جائزہ لینا ہوگا کہ ایمان کے وجود میں آنے کے لئے اساس اور بنیاد کیا ہے۔

ایمان کی پہلی بنیاد، اللہ کی محبت

اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حبًّا لِلّٰهِ." (بقرہ: ۱۲۵)

"اور جو ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔"

اس آیت سے بغیر کسی تعبیر و تاویل کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے لئے خدا کی محبت کا ہونا لازم ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرتَدَّ مِنكُم عَن دِينِهِ فَسَوفَ يَأتِي اللّٰهُ بِقَومٍ يُحِبُّهُم وَيُحِبُّونَهُ. (مائدہ: ۵۴)

"اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائے گا (تو وہ یہ نہ سمجھے کہ دعوت حق کو اس سے نقصان پہنچے گا) عنقریب اللہ ایک گروہ (سچے خدا پرستوں کا) پیدا کر دے گا جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہوں گے۔"

اس آیت سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ سچے خدا پرست یعنی مسلمان وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھنے والے ہیں۔

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ.(۱۷۷/۲)

''اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں۔''

سورۃ الدھر پارہ نمبر ۲۹ کی آیت نمبر ۷، ۸ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا.

''جو اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور (کہتے ہیں) ہمارا یہ کھانا کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض اللہ کے لئے ہے نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی کی شکرگزاری۔''

ان آیات سے یہ واضح ہوا کہ مؤمن وہ ہیں جن کے ہر عمل کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

اگر ہم رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالیں تو ہم کو پتہ چلے گا کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی حبِّ الٰہی میں سرشاری کی زندگی تھی، اور آپ ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھُمَّ اجعَل حُبَّکَ احَبَّ إلَیَّ مِن نَفسِی واھلِی وَمِنَ الماءِ البارِدِ.

”الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل وعیال سے اور
ٹھنڈے پانی سے زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔“

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث قدسی مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”بلاشک آسمان و زمین میری گنجائش سے عاجز ہوگئے اور ان کی
وسعت میرے لئے ناکافی ہوگئی مگر قلب مومن میری
گنجائش کے لئے وسیع ہے۔“ (احمدؒ)

یعنی میری محبت قلب مومن کے سوا کہیں نہیں سما سکتی۔ حضرت جامیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

پرِ تو حسنت نگنجد در زمین و آسمان
در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

”تیرا حسن وجمال آسمان میں نہ سما پایا، مجھے حیرت ہے کہ
میرے سینے میں کیسے جاگزیں ہوگیا۔“

ان آیات قرآنی وارشادات ربانی کی روشنی میں کسی شک وشبہ کے بغیر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ایمان کی شرط اولین اساس اور بنیاد حُبِ الٰہی ہے جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔

منکرین حُبِّ الٰہی

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو قرآن پاک کی ان واضح آیات کے باوجود حب

الٰہی کے منکر ہیں ان کے بارے میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "تبلیغِ دین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اہل کلام وفلسفی چونکہ اللہ کی محبت کے معنی نہیں سمجھتے اس لئے وہ اس کے منکر ہو کر یوں کہنے لگے کہ جس ذات کا کوئی مثل نہیں ہے، اس کو ہماری طبیعت کے ساتھ مناسبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ہماری عقل اس کا پورا ادراک کر سکتی ہے لہٰذا اس کی محبت کے بجز اس کے کوئی معنی نہیں کہ اس کے احکام کی اور ارشاد کی تعمیل کی جائے۔ یہ بیچارے چونکہ حقیقت سے جاہل ہیں ان کا خیال ہے کہ محبت اپنے ہم جنس ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ ان کی فہم حقیقت الامر کو معلوم نہ کر سکی۔ ہم اس جگہ مختصر طور پر محبت کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہو سکے، جاننا چاہئے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے۔ اور محبوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس کی طرف کھنچتی ہے اور نفس اس کی طرف مائل ہوتا ہے یہی میلان طبیعت بڑھ جاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے۔ اسی طرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونے کے معنی ہیں کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔" پس جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں وہ تو محبوب ولذیذ ہیں اور جو طبیعت کے مخالف ہیں وہ مبغوض وناگوار ہیں اور لذت ہمیشہ ادراک کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے۔ مگر

ادراک دو قسم کے ہیں۔ ایک ادراک ظاہری اور دوسرا ادراک باطنی پس ظاہری ادراک تو حواس خمسہ کے ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً آنکھ کو حسین وخوبصورت چیز کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزوں اشعار اور خوش الحان گانے اور سُریلی آواز کے سننے میں مزہ آتا ہے اور زبان وناک میں چکھنے اور سونگھنے کا حس رکھا ہوا ہے۔ مزے دار کھانوں اور خوشبودار پھولوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اور تمام بدن کی قوت لامسہ کو نرم وملائم اور نازک چیز کے چھونے میں مزہ آتا ہے اور یہی چیزیں نفس کو محبوب ہیں۔ یعنی طبع ونفس ان کی جانب مائل ہوتا ہے اسی طرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ اور بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراک باطنی کہلاتا ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اس چھٹے حاسہ کو کبھی عقل کہہ دیتے ہیں کبھی نور اور کبھی چھٹا حاسہ، غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہے کہ باطنی ادراک بھی حواس ظاہری کی طرح اپنی موافق اور مناسب چیز سے لذت حاصل کرتا ہے۔''

''چنانچہ رسولِ مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میرے لئے محبوب بنائی گئیں یعنی خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خوشبو سے قوت شامہ کو مزہ آتا

ہے اور خوبصورت عورت سے قوتِ باصرہ اور قوت لامسہ کو لذت حاصل ہوتی ہے مگر نماز کی لذت حواس خمسہ ظاہری میں سے کسی حاسہ کو بھی نہیں ملتی۔ہاں اس کی لذت اسی چھٹے حاسہ کو ملتی ہے جو باطنی ہے اور جس کا مقام قلب ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ جس کا قلب بیکار ہے وہ نماز میں کبھی لذت نہیں پاسکتا۔اس لذت کا ادراک سلیم القلب شخص ہی کو ہوسکتا ہے اور انسان کی خصوصیت اسی چھٹے حاسہ کی وجہ سے ہے ورنہ حواس ظاہری میں تو تمام حیوان مشترک ہیں۔ چنانچہ جانوروں کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ دار کھانے اور خوشبو سونگھنے اور نازک چیز کو چھونے کی رغبت ہوتی ہے۔البتہ انسان ظاہری آنکھوں کی بصارت سے حسین عورتوں کی لذت حاصل کرتا ہے اور بصیرت سے باطنی خوبیوں کا مزہ اٹھاتا ہے بشرطیکہ

قلب کی آنکھوں میں بینائی بھی ہو۔“

”اصل اور کامل محبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان صفاتِ محمودہ اور جلال و جمال کی وجہ سے محبت ہو جس میں اس کی ذات لاشریک ہے اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں، اسی لئے اللہ پاک نے حضرت داؤدؑ کی جانب وحی فرمائی تھی کہ مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حق ربوبیت ادا کرنے کی غرض سے میری عبادت کرے اور زبور میں مسطور ہے کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہے

جس نے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی۔ پس اگر میں دوزخ اور جنت کو نہ پیدا کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کا چند ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ جو خلوت میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جنت کی امید رکھتے ہیں اور دوزخ کا ڈر۔ حضرت روح اللہؑ نے فرمایا کہ تم کو مخلوق کی ہی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف ہے وائے افسوس کہ خالق کے لئے کچھ بھی نہیں۔ آگے جا کر چند دوسرے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت نشین تھے اور کہتے تھے کہ ہم محض خدا کی محبت اور اس کے جلال کی وجہ سے اس کی عبادت کر رہے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ بیشک تم خدا کے ولی و مقرب ہو اور تمہارے ہی پاس بیٹھنے کا مجھ کو حکم ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی صفات اور اس کے احسانات کی بناء پر ہوتا ہے جس کا تعلق قلب انسانی سے ہے اور قلب انسانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''بلاشک آسمان و زمین میری گنجائش سے عاجز ہوگئے اور ان کی وسعت میرے لئے ناکافی ہوگئی مگر قلب مومن میری گنجائش کے لئے وسیع ہے۔''

یعنی میری محبت قلب مومن کے سوا اور کہیں نہیں سما سکتی۔ اس حدیث قدسی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اور جو

ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں۔"

اور اس کے برعکس منکرین محبت کہتے ہیں کہ خدا سے محبت نہیں ہو سکتی اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ منکرین حب الٰہی اپنے اس نظریہ میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔

ایک دوسری بات بھی اس اقتباس سے واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اور صرف جنت کی لالچ یا دوزخ کے خوف سے کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت و تعلق سے لاتعلق ہو کر گویا ان کی عبادت بجائے رضا الٰہی کے اس کی ناراضگی کا باعث ثابت ہو سکتی ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی محبت و جلال کی وجہ سے کرتے ہیں وہ اس کے اولیٰ اور مقرب بندے بن جاتے ہیں۔ حب الٰہی کی عظمت اور اہمیت کا اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کے کوئی عبادت بھی مقبول نہیں ہوتی۔

محبت اور عشق وہبی ہیں

اس منزل پر اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ شریعت کا یہ اصول پڑھ کر کہ محبت وہبی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور از خود پیدا نہیں کی جا سکتی محض تعمیل احکام شریعت پر اپنی توجہ مرکوز کر لیتے ہیں اور جذبہ محبت کے حصول کی طرف توجہ نہیں دیتے حالانکہ شریعت میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ محبت اور عشق وہبی ہیں وہاں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ان کو حاصل کرو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز ہمارے اختیار میں نہ ہو اس کو کس طرح حاصل کیا جائے تو شریعت نے اس کا

طریقہ بھی ہم کو بتا دیا ہے۔ کہ تم اپنے دلوں کو انسان کے خلاف حسد و کینہ سے خالی کرلو، ان کے ہمدرد اور غم گسار بن جاؤ۔ خدمت خلق کو اپنا شیوہ بنالو۔ جو تمہارے اختیار میں ہے وہ تم کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری طلب اور دعاؤں کی بدولت تمہارے دلوں کو جذبہ محبت سے بھی معمور کردے گا۔

یہ مانا کہ ہے عشق وہبی حضور
مگر ہو طلب تو ملے گا ضرور

دوسرا اصول اہل اللہ نے یہ بتایا ہے کہ

اگر چاہتے ہو کہ ہو عشق پیدا
کسی عاشقِ حق کے ہوجاؤ شیدا

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

محبت حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والوں کے پاس بیٹھنا شروع کردو۔

آہن کہ بہ پارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلا شد

تو اب یہ غلط فہمی بھی دور ہوجانی چاہیئے کہ محبت کے وہبی ہونے کی وجہ سے انسان اس جذبہ کو اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتا بلکہ یہ واضح ہوجاتا ہے کہ شریعت نے اس کے حصول کا طریقہ بھی ہم کو بتا دیا ہے جس پر عمل کرکے ہم اس کو حاصل کرسکتے ہیں اور اس کو حاصل کرنا ہمارا سب سے اہم فرض ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم مسلمان

کہلانے کے مستحق قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

حبِّ الٰہی کے حصول کا راستہ

حبِ الٰہی کا کے حصول کا ذریعہ اتباع رسول ﷺ ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ.

(آل عمران: ۳۱)

"(اے رسول ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کوحبِ خداوندی کا دعویٰ ہے تو تم میرا اتباع کرو۔خدا تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔"

پس جس دل میں خدا کی محبت پیدا ہوگئی وہ اتباع رسول اللہ ﷺ میں کبھی کوتاہی نہیں کرسکتا ورنہ اس کا دعویٰ حبِ الٰہی جھوٹا ہو جاتا ہے۔

ایمان کی دوسری بنیاد، اتّباعِ رسول ﷺ

اتباعِ رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں ہم کو سب سے پہلے جس ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل کرنا ہے وہ یہ ہے کہ

اَلا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَامُحَبَّۃَ لَہ.

"جو (میری) محبت نہیں رکھتا اس کا ایمان نہیں۔"

اور بغیر ایمان کے دیگر تمام ارشادات نبوی کی تعمیل ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاسکتیں۔

وہ مؤمن نہیں جس میں چاہت نہیں
رسولِ خدا ﷺ کی محبت نہیں

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

قال صلى الله عليه وسلم لايومن أحدكم حتى أكون أحب إليه من نفسه وولده ووالده والناس أجمعين.

''یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وہ کامل ایمان میں نہیں ہے جو اپنی جان ومال و اولاد اور والدین اور تمام عالم سے زیادہ مجھ کو محبوب نہیں رکھتا۔''

جب اس ارشاد کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے ایمان کامل کے واسطے اپنی محبت کو لازمی قرار دیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بجز اپنی جان کے میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔''

تو رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' اے عمر! تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جب تک اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھو گے۔''

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر عرض کیا۔

''یا رسول اللہ ﷺ اب میں اپنی جان سے زیادہ آپ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوگیا۔''

بخاری اور مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''جو جس سے محبت رکھتا ہے قیامت کے دن وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔''

سنن ابی داؤد میں منقول ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص ایک قوم سے محبت رکھتا ہے مگر ان کے مثل عمل نہیں کرتا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوذر! تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ:

''میں تو خدا اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔''

تو آپ ﷺ نے وہی فرمایا: پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے وہی کہا اور رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ پس اس حدیث سے واضح ہوا کہ۔

ہمیں ہوگی دنیا میں جس سے محبت
وہی ساتھ ہوگا بروز قیامت
بسی ہوگی آنکھوں میں اپنی جو صورت
وہی کام آئے گی وقت ضرورت

ان احادیث کی رو سے بغیر کسی تعبیر و تاویل کے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی ایمان کا ایک اہم جزو ہے اور اسی محبت نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے ایمان کو بھی ایمان کامل بنادیا تھا۔ لہٰذا جس طرح ایمان کی پہلی شرط اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اسی طرح ایمان کی دوسری شرط رسول اکرم ﷺ کی محبت ہے اور وحدانیت ورسالت کا اقرار بغیر ان دونوں محبتوں کے بیکار ہے۔

لہٰذا ۔

نہیں جس میں حب خدا و رسول
نہ ہوگی کوئی اس کی طاعت قبول

ایمان کی تیسری بنیاد، مخلوقِ خدا سے محبت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

المؤمن مألف ولاخیرَ فیمن لایألف ولایؤلف.

"ایمان دار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکر محبت ہو، جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے یاد رکھو کہ اس میں بھلائی کی بو بھی نہیں ہے۔"

اس حدیث سے بغیر کسی تعبیر وتاویل کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے لئے مجسم پیکر محبت ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات تو کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جو شخص محبت کا پتلا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ سے تو محبت کریگا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مخلوق خدا کو بھی محبوب رکھے گا، کیونکہ مندرجہ ذیل احادیث میں مخلوق خدا سے محبت کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الخلق عیال اللّٰہ فاَحَبُّ الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ ۔(مشکوٰۃ: ص/۴۲۵)

''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کی نظر میں محبوب ترین وہ ہے جو اللہ کے کنبے (مخلوق) کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے۔''

اللہ تعالیٰ کے عیال نہیں لیکن اس سے بڑھ کر اس کے لئے اس کی مخلوق ہے تو اس کی تمام مخلوق میں سب سے پیارا وہ ہے جس کی نظروں میں اس کی مخلوق سب سے پیاری ہو (جیسا کہ باپ کو سب سے پیارا وہ شخص ہوتا ہے جس کی نظروں میں اس کی اولاد سب سے پیاری ہو)۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل انسانوں سے محبت ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم کو میری رحمت پیاری اور پسند ہے تو میری مخلوق پر رحم کرو۔'' یعنی اگر بندے یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے تو وہ خدا کی مخلوق پر رحم کیا کریں خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے گا۔ لہٰذا جو شخص مجسم پیکر محبت ہوگا وہ لازمی طور پر مخلوقِ خدا سے بھی محبت کرے گا۔

(ابوالشیخ بن عساکر ودیلمیؒ)

بغض وعناد ایمان سے محروم کر دیتے ہیں

کسی انسان کے خلاف بغض رکھنے والا ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بغض محبت کی ضد ہے اور کسی ایک دل میں یہ دونوں جذبے ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اجتماع ضدین ناممکن ہے۔ اسی طرح حسب ارشاد رسول اللہ ﷺ بندے کے قلب میں ایمان اور حسد بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی جس دل میں حسد ہوگا وہ ایمان سے خالی ہوگا۔ لہٰذا ان احادیث کی رو سے بھی محبت ایمان کی علامت قرار پاتی ہے۔

پس ایمان کی تیسری شرط محبت قرار پائی اور ایمان دار آدمی وہی ہے جو مجسم پیکر محبت ہو یعنی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور مخلوق خدا کی محبت ہو۔ لہٰذا قرآن پاک اور ارشادات رسول اللہ ﷺ کے مطابق کلمہ کی تشریح اور ایمان کی تعریف اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں ان تین شرائط کا ذکر نہ کیا جائے۔ جو قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ کی رو سے لازمی قرار دی گئی ہیں۔ اگر یہ شرائط کلمہ کی تشریح اور مسلمان کی تعریف میں شامل کر لی جائیں اور ان پر صحیح معنی میں یقین اور عمل بھی کیا جائے تو پھر امت مسلمہ کے نفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ محض اختلافات کا ہونا کوئی برائی نہیں ہے۔ لیکن ایمان کی یہ تشریح جو ان تین شرائط پر مشتمل ہے بغض وعناد اور نفاق کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور مخلوق خدا سے محبت کرنے کی طرف انسان کو راغب کرتی ہے۔

پس یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ہونا اور مؤمن

کا مجسم پیکر محبت ہونا اصل اور حقیقی ایمان ہے اور اگر یہ تین باتیں کسی انسان میں نہیں پائی جاتی ہیں تو دیگر تمام ایمانیات وضروریات دین پر ایمان لاکر بھی وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔

گویا محبت شجر اسلام کی جڑ ہے اور بقیہ تمام ایمانیات وضروریات دین اس کی شاخیں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ بغیر جڑ کے درخت کا وجود ناممکن ہے۔لہٰذا بغیر محبت کے اسلام کا وجود بھی باقی نہیں رہتا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل نصیب فرمائے اور ایمان کامل پر خاتمہ نصیب فرمائے۔(آمین)

مومن کامل کے اوصاف

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَغْبَطَ أَوْلِيَائِي عِندِي لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَاذِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلاَةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضاً فِي النَّاسِ لاَ يُشَارُ إِلَيهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافاً فَصَبَرَ عَلَى ذٰلِكَ . ثُمَّ نَفَضَ بِيَدِهِ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهُ قَلَّتْ بَوَاكِيهِ قَلَّ تُرَاثُهُ وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَباً قُلْتُ لاَ يَا رَبِّ وَلٰكِن أَشْبَعُ يَوماً وَأَجُوعُ يَوماً أَوْ قَالَ ثَلاَثاً أَوْ نَحوَ هٰذَا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ

إِلَيهِ وَذَكَرتُكَ وَإِذَا شَبِعتُ شَكَرتُكَ وَحَمِدتُكَ.

(رواه الترمذی)

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے دوستوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ لائق رشک وہ مؤمن ہے جس کی کمر (زیادہ اہل وعیال اور دنیا کے زیادہ کاروبار کے بوجھ سے) ہلکی پھلکی ہو۔ نماز سے بڑا حصہ رکھتا ہو، اپنے رب کی خوب عبادت کرے اور تنہائی میں اس کی فرمانبرداری کرے۔ لوگوں میں گم نام ہو کہ اس کی طرف انگلیاں نہ اٹھتی ہوں اور اس کی روزی بقدر کفایت ہو پس وہ اس پر صبر کرے۔" یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ نے چٹکی بجائی اور فرمایا: اس کی موت جلدی آجائے۔ اس پر رونے والیاں بھی کم ہوں اور اس کی وراثت بھی کم ہو۔"

اسی سند سے آنحضرت ﷺ کا ایک دوسرا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ میرے لئے وادی مکہ کو سونا بنادیں۔ میں نے عرض کیا نہیں اے رب! بلکہ میں ایک دن سیر ہوا کروں اور ایک دن بھوکا رہا کروں۔ پس جب بھوک ہو تو سیری کے لئے تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کیا کروں اور جب پیٹ بھر جائے تو تیرا شکر اور تیری حمد بجالاؤں۔"

فائدہ:

پہلی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام دوستوں میں سے اس مؤمن کو لائق رشک فرمایا جس میں یہ صفات پائی جائیں۔

۱......اس کے ساتھ اہل وعیال کا زیادہ جھمیلا نہ ہو، نہ زیادہ کاروبار کا بکھیڑا ہو بلکہ وہ ان چیزوں سے ہلکا پھلکا اور فارغ البال ہو۔ اس لئے کہ عموماً یہ چیزیں آدمی کو ایسا پھانس لیتی ہیں کہ اسے دین ودنیا کا کوئی ہوش نہیں رہتا۔ ہاں! کسی شخص کو اہل اللہ کی صحبت سے ایسی حالت نصیب ہو جائے کہ یہ سارے جھگڑے بکھیڑے بھی اس کے دامن دل کو نہ کھینچ سکیں۔ اہل وعیال کی مشغولی اس کے لئے یاد خداوندی سے مانع نہ رہے تو اس کا شمار بھی انہی خوش قسمت لوگوں میں ہوگا جن کو آنحضرت ﷺ نے لائق رشک فرمایا ہے بلکہ بعید نہیں کہ اس کا مرتبہ اور زیادہ بلند ہو جائے، اس لئے کہ اجر بقدر مجاہدہ ملتا ہے اور اس شخص کا مجاہدہ ہلکے پھلکے آدمی سے یقیناً بڑھ کر ہے۔ تاہم اگر کسی کے پاس اہل وعیال اور دنیا کے مال کی قلت ہو تو اس پر افسوس اور حسرت کی ضرورت نہیں بلکہ حق تعالیٰ صحیح بصیرت نصیب فرمائے تو بارشاد نبوی ﷺ یہ حالت لائق رشک ہے۔

۲......اس مومن کی دوسری لائق رشک ادا یہ ذکر فرمائی کہ اسے نماز میں راحت ولذت ہو۔ اور نماز کا ایک خاص حظ اور حصہ اس کو عطا کیا گیا ہو۔ اسی کے ساتھ اپنے رب جل شانہ کی عبادت میں اسے احسان کا درجہ حاصل ہو اور تنہائی میں جہاں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ دیکھتا ہو، اپنے رب تعالیٰ کی خوب عبادت

وفرمانبرداری کرتا ہو۔ یہ صفت لائق رشک اس لئے ہے کہ یہی مقصود زیست اور مقصد زندگی ہے۔اس دنیا میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی نعمت ہے نہ لذت کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی یاد اور اپنی اطاعت وعبادت کے لئے منتخب فرمالے۔

۳......آنحضرت ﷺ نے اس لائق رشک مؤمن کے بارے میں تین باتیں اور ذکر فرمائیں۔اول چٹکی بجا کر یوں فرمایا کہ اس کی موت جلدی آجائے۔بعض حضرات نے اس کی تفسیر قلت عمر سے فرمائی ہے کیونکہ عمر کم ہوگی تو دنیا کے شر وفساد اور معصیت اور گناہ کے انبار سے محفوظ رہے گا اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر نزع کی آسانی سے فرمائی ہے یعنی چونکہ اس کی روح دنیا کی چیزوں میں اٹکی ہوئی نہیں ہوتی اور اس پر حق تعالیٰ شانہ کی ملاقات کے شوق اور دارالقرار کی منزل تک پہنچنے کا غلبہ ہے، اس لئے اس کی روح جلدی نکل جاتی ہے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح زندگی میں اس کے اخراجات ومصارف کم تھے، اسی طرح اس کی موت کے مصارف بھی کم سے کم ہوں اور کسی طمطراق کے بغیر جلد از جلد اسے سپرد خاک کر دیا جائے۔

اس ارشاد کا اگر پہلا مطلب لیا جائے یعنی عمر کا کم ہونا تو یہ ہر شخص کے اعتبار سے نہیں کیونکہ دوسری احادیث میں طول عمر کو جب اس کے ساتھ حسن عمل بھی ہو افضل فرمایا گیا ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اس پر رونے والیاں کم ہوں کیونکہ اس کا خویش قبیلہ زیادہ نہیں تھا اس لئے جب مرا تو اس پر کوئی رونے والا بھی نہیں۔اللہ اکبر! کیسی عمدہ

حالت ہے کہ جیسے دنیا میں اکیلا آیا تھا ویسے ہی اکیلا رخصت ہوا کیونکہ اگر کسی کی موت پر ہزاروں رونے والے بھی ہوں تو ان کے رونے سے مرنے والے کو کیا نفع؟ بقول اکبر ؎

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

مرنے کے بعد آدمی کو نہ تو دنیا کی عزت وجاہت کام آئے گی نہ دولت وثروت، نہ لوگوں کے مرثیے اور نوحے۔ اس کے کام تو وہ اعمال آئیں گے جن کو یہ اپنے ساتھ لے گیا۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اس کا ترکہ بھی کم ہو جس کو یہ پیچھے چھوڑ کر گیا تھا۔ نہ وہ اپنی زندگی میں دنیا سے ملوث ہوا، نہ اس کے مرنے پر اس کی وراثت کے جھگڑے ہوئے۔

یہ تمام صفات جن کو اس حدیث میں لائق رشک فرمایا گیا اگر کسی بندۂ خدا کو نصیب ہوں تو اسے شکر کرنا چاہئے اور اگر نصیب نہ ہوں تو کم از کم آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کو لائق رشک تو سمجھے۔ اس سے بھی کسی درجے میں ذوق نبوی ﷺ کے ساتھ ہم آہنگی نصیب ہو جائے گی۔ (رزقنا اللّٰہ بفضلہ ومنّہ)

دوسری حدیث کا مضمون واضح ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو پیشکش کی گئی کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو آپ ﷺ کے لئے بطحائے مکہ کو سونا بنا دیا جائے مگر اس کو منظور نہیں فرمایا۔ اور یوں عرض کیا کہ یا اللہ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھایا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ بھوکا رہوں

گا تو آپ کی بارگاہ میں گڑگڑاؤں گا اور جس دن کھانے کے لئے میسر آئے آپ کا شکر وحمد بجالاؤں گا۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی عزت نفس اور بلندئ زہد کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی کے ساتھ دنیا کی حقارت وذلت بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ خود رب العالمین کی طرف سے آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی جاتی ہے مگر آپ اس کو قبول نہیں فرماتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ کا فقر وفاقہ خود اختیاری تھا۔ مجبوری کہ وجہ سے نہیں تھا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدمی بھوکا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا آنحضرت ﷺ کی محبوب سنت ہے اور یہ حق تعالیٰ شانہ کو بہت ہی پسند ہے۔ اسی طرح جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کوئی نعمت ملے اس پر شکر کرنا بھی اس نعمت کا حق ہے۔

کیونکہ شکر پر مزید انعامات سے نوازنے کا وعدہ ہے اور ناشکری پر سزا کی وعید ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم کو بھی آنحضرت ﷺ کی ان محبوب اداؤں کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قناعت مؤمن کی بڑی دولت ہے

عَن سَلَمَةَ بنِ عُبَيدِ اللّٰهِ بنِ مُحْصِن الخَطمِيِّ عَن أَبِيهِ وَكَانَت لَهُ صُحبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ مَن أَصبَحَ مِنكُم آمِنًا فِي سِربِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِندَهُ قُوتُ يَومِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَت لَهُ الدُّنيَا بحذا فيرها.

(ترمذی: ج/۲)

''حضرت عبیداللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو شخص ایسی حالات میں صبح کرے کہ اپنی ذات کے بارے میں امن سے ہو، بدن درست ہو اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو تو یوں سمجھو گویا کہ ساری دنیا اپنے ساز وسامان کے ساتھ سمٹ کر اس کے پاس جمع ہوگئی ہے۔''

فائدہ:

مطلب یہ کہ امن وعافیت اور قدر کفاف روزی یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جس شخص کو حاصل ہوں تو گویا دنیا کی ساری دولتیں اس کے پاس جمع ہیں کیونکہ دنیا کا ساز وسامان انہی تین نعمتوں کے حصول کے لئے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو یہ نعمتیں عطا فرمادے تو دنیا کے مال وجاہ اور عزت ومنصب کی ہوس بیکار ہے۔ اس حدیث پاک میں ایک تو ان نعمتوں پر شکر الٰہی بجالانے کی تعلیم ہے۔ دوسرے قناعت کی تلقین ہے کیونکہ دنیا کا ساز وسامان جتنا زیادہ بڑھے گا قلب کو اتنی تشویش ہوگی۔ افکار اور پریشانیوں میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ راحت وسکون اور امن وعافیت، جس کا ہر شخص متلاشی ہے، اسی وقت میسر آسکتی ہے جب قلب عطائے الٰہی پر قانع ہوجائے اور زائد از ضرورت چیزوں کی طلب اور ہوس اس کے اندر سے مٹ جائے۔

مومن اور فاجر کی قلبی کیفیت

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ بِحَدِيثَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ

عَبْدُاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ وَّقَعَ عَلٰى أَنْفِهِ قَالَ بِهِ هٰكَذَا فطار، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ أَحَدِكُم مِنْ رَجُلٍ بِأَرْضٍ فلاة دَوِّيَّةٍ مهلَكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَطَعَامُهُ وَ شَرَابُهُ وَمَا يُصلِحُهُ فَأَضَلَّهَا فَخَرَجَ فِي طَلَبِهَا حَتّٰى إِذَا أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ قَالَ أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِ الَّذِي أَضْلَلْتُهَا فِيهِ فَأَمُوتُ فِيهِ فَرَجَعَ إِلٰى مَكَانِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَ رَأْسِهِ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَمَا يُصلِحُهُ. (ص/۴۳۷، ج/۲)

"حارث بن سوید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں ایک اپنی طرف سے اور دوسری نبی کریم ﷺ سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسا دیکھتا ہے گویا وہ پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہے، اور اسے اندیشہ ہے کہ وہ اس پر گر پڑے گا۔ اور فاجر اور بدکار آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا اس کی ناک پر مکھی بیٹھ گئی تھی اور اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو اڑ گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو کسی ہولناک لق ودق صحرا میں

سفر کر رہا تھا، اس کے پاس سواری تھی جس پر اس کا توشہ، کھانا، پانی اور دیگر ضروریات لدی ہوئی تھیں، وہ سواری جنگل میں گم ہوگئی۔ وہ اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا، یہاں تک کہ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اس نے سوچا کہ جہاں میں نے سواری گم کی تھی اس جگہ لوٹ جاؤں اور وہیں جا کر مروں، چنانچہ وہ اسی جگہ لوٹ آیا۔ وہاں آکر (لیٹ گیا اور) ذرا بعد اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سر کے پاس موجود ہے۔ اور اس کا کھانا، پانی اور اس کی ساری ضروریات بھی موجود ہیں۔“

فائدہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد میں گناہ صادر ہونے کے بعد مؤمن اور فاجر کی قلبی کیفیت کو ذکر کیا گیا ہے کہ مومن تو اپنے گناہ سے ایسا ڈرتا ہے گویا اس پر پہاڑ گر پڑے گا۔ اس لئے فوراً توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اشک ندامت سے اس گناہ کی سیاہی دھونے کا اہتمام کرتا ہے۔ برعکس اس کے فاجر اور بدکار آدمی اپنے گناہ کو معمولی چیز سمجھتا ہے، گویا ناک پر مکھی بیٹھی تھی جسے ہاتھ کے معمولی اشارے سے اڑا دیا۔ بسا اوقات جب آدمی مشغول ہوتا ہے تو اسے مکھی کے بیٹھنے اور ہاتھ سے اڑانے کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح فاجر آدمی کو اپنے گناہوں کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کے تدارک کی فکر لاحق ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ مؤمن کے اپنے گناہوں سے خوف کا سبب یہ ہے کہ مؤمن کا قلب نورانی ہوتا ہے، جب اپنے نفس سے کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کی نورانیت قلب کے خلاف ہو تو اسے وہ بہت سنگین بات معلوم ہوتی ہے، اور ہلاکت کے اسباب تو بہت ہو سکتے ہیں مگر ان میں سے پہاڑ گرنے کی تمثیل اس لئے بیان فرمائی کہ دوسرے مہلکات سے بچنے کی تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ مگر کسی پر پہاڑ گر پڑے تو اس سے نجات عادتاً ممکن نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ایمان و یقین کی قوت کی وجہ سے مومن پر خوف غالب ہوتا ہے، اس لئے وہ گناہوں کی سزا سے بے خوف نہیں ہوتا۔ اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ ڈرتا رہے، اپنے نفس کا مراقبہ کرتا رہے، اپنے نیک عمل کو چھوٹا اور معمولی سمجھے اور چھوٹے چھوٹے برے عمل سے بھی ڈرتا رہے۔

اور فاجر کی بے خوفی کا سبب یہ ہے کہ فاجر کا قلب تاریک ہوتا ہے۔ اس لئے گناہوں کا سرزد ہونا اس کے نزدیک معمولی بات ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص معاصی کا ارتکاب کرتا ہے جب اس کو وعظ و نصیحت کی جائے تو کہتا ہے کہ یہ تو معمولی بات ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مومن کا اپنے گناہوں سے کم ڈرنا اور گناہوں کو ہلکی پھلکی چیز سمجھنا اس کے فجور کی دلیل ہے۔

محبّ طبری فرماتے ہیں کہ مومن کی یہ کیفیت اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کی سزا سے شدید خوف رکھتا ہے، کیونکہ اسے اپنے گناہ کا تو یقین ہے، اور یہ یقین نہیں کہ گناہ معاف کیا جا چکا یا نہیں، اور مغفرت ہوگی، یا نہیں، اور فاجر آدمی اللہ

تعالیٰ کی معرفت کم رکھتا ہے، اس لئے اسے خوف بھی کم ہوتا ہے اور معصیت کو بھی معمولی چیز سمجھتا ہے۔ (فتح الباری کتاب الدعوات باب التوبہ)

اور حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بیان فرمائی ہے اس میں بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کی خوشی کو ایک تمثیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے، ایک ایسا شخص جو موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ اور زندگی سے یکسر مایوس ہو چکا تھا یکایک اس کی سواری اور کھانے پینے کے سامان مل جانے سے اسے گویا نئی زندگی نصیب ہوگئی، ایسی حالت میں اس کی فرحت و مسرت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ بندہ گناہ کا ارتکاب کر کے شیطان درندے کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، جو اس کو ابدی موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے، توبہ کرنے کے بعد اسے شیطان کے چنگل سے رہائی مل جاتی ہے، اور وہ رحمت الٰہی کے سائے میں آجاتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہ کو بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی بڑھ کر خوشی ہوتی ہے جو زندگی سے یکسر مایوس ہوجانے کے بعد دوبارہ زندگی سے ہمکنار ہوا ہو۔

صحیح مسلم (ص/۳۳۵، ج/۲) میں براویت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے۔ اور اس کے آخر میں ہے کہ جب اس شخص نے اٹھ کر اپنی سواری دیکھی تو شدت مسرت سے کہنے لگا:

اللهم انت عبدی وانا ربک

اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اخطأ من شدة الفرح.

''مسرت کی وجہ سے بے چارہ چوک گیا۔''

مگر یہ چوک جو عام حالات میں سلب ایمان کا سبب ثابت ہوسکتا تھا، کمالِ ایمان کا درجہ پا گیا۔ سبحان اللہ

ایمان کی طاقت اور اس کا ثمرہ

عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ

''حضرت عبادہ بن صامت ﷛ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے۔''

ہم اور آپ روزانہ پانچ وقت کی نماز میں کئی بار سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں جس میں بار بار اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

''اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور پھر سیدھے راستے کی تشریح بھی زباں پر لاتے ہیں۔''

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔''

معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کو تلاش کرنے کے لئے ان لوگوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرنی ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یا جنہیں اللہ رب العزت نے انعام کا مستحق قرار دیا۔ چنانچہ اس وقت بات ایمان لانے والوں کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیا انعام مقرر فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث جو حدیث جبرئیل کے نام سے محدثین کے نزدیک مشہور ہے۔ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سوال وجواب کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی تعلیمات سے آگاہ کیا ان سوالات میں ایک سوال حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمایا:

ان تؤمن باللّٰہ وملائکته وکتبه ورسله والیوم الآخر.

''اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اگر ان میں سے ایک چیز کے بارے میں ایمان نہ ہو تو وہ شخص مؤمن ہی نہیں رہتا۔''

ایمان لانے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ :

اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

''یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

کسی بھی انسان کے لئے آخرت میں کامیابی ملنے سے بڑا انعام اور کچھ نہیں ہوسکتا لیکن ایمان لانے والے کو دنیا میں بھی بہت سے انعامات میسر آجاتے ہیں بلکہ ایمان کے پانچ اجزاء میں سے ہر چیز پر ایمان لانے سے الگ الگ فائدے نظر آتے ہیں۔

عقیدہ توحید ہی کو لیجئے یعنی اللہ کو ایک ماننا اس بات کا ایمان انسان کو عزت

نفس عطا کرتا ہے انسان جب یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا خالق اور مالک اللہ ہے وہی طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہی قادر مطلق ہے تو اس بات پر ایمان لانے کے بعد انسان صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور اسی سے ڈرتا ہے اب اس کی پیشانی انسانوں یا پتھر کی بے جان مورتیوں کے سامنے نہیں جھکتی۔

اللہ پر ایمان رکھنے کے بعد انسان کو عجز وانکساری جیسی دولت انعام میں ملتی ہے کہ یہ انسان پھر اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے سب اسی مالک حقیقی کا ہے جو خدا دینے پر قادر ہے وہ چھین لینے پر بھی قادر ہے لہٰذا بندے کے لئے تکبر اور غرور کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ اس لئے یہ عجز وانکساری ہی سے کام لے گا تب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کو وسعت نظری کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ انسان اس رحمٰن اور رحیم پر ایمان رکھتا ہے جو کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے سب کو اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے چنانچہ اللہ پر ایمان رکھنے والے میں ہمدردی، محبت اور خدمت کا جذبہ پوری دنیا کے لئے عام ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کے دل سے دوسروں کا خوف نکل جاتا ہے اور وہ بہادری اور استقامت کی خوبیوں والا بن جاتا ہے چاہے بدر کی لڑائی ہو یا حنین وخندق کی ہر مؤمن کا ایمان ہوتا ہے کہ تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو اللہ جانتا ہے، بندہ جانتا ہے کہ میں چھپ کر بھی گناہ نہیں کر سکتا اب مؤمن کی تقویٰ اور پرہیزگاری اسی ایمان لانے کی بدولت نصیب ہوئی۔

معاشرہ اسی وقت صحیح معنوں میں انسانی معاشرہ بن سکتا ہے جب لوگوں کے اعمال درست ہوں۔ انسان کے تمام اعمال اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر

دل میں ایمان کی روشنی موجود ہو تو عمل صالح ہوگا اگر کوئی شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس کے اعمال اچھے نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ ایمان اس کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح رچا نہیں۔

نیک اعمال میں اگر کوئی رکاوٹ نظر آئے تو وہ اس وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ آخرت پر اس شخص کا ایمان کمزور ہے کیونکہ آخرت پر ایمان لانے سے انسان کے دل میں نیکی پر جزا اور بدی کی سزا کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتا ہے اس کی نظر اپنے اعمال کے صرف ان ہی نتائج پر نہیں ہوتی جو اس کی زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ ان نتائج پر بھی نگاہ رکھتا ہے جو آخرت کی زندگی میں ظاہر ہوں گے چنانچہ ایمان رکھنے والے شخص کے دل میں برائیوں سے نفرت ہوتی ہے اور وہ نیک کاموں کو اس طرح ضروری سمجھتا ہے جیسے کھانا پینا یہ تمام خوبیاں دنیا میں انسان کو بطور انعام اس وقت ملتی ہیں جب یہ شخص ایمان لاتا ہے اور پھر ایمان لانے کے تقاضے پورے کرتا ہے اور ان تمام خوبیوں اور انعامات کی بدولت آخرت میں فلاح و کامیابی کا حقدار بن جاتا ہے۔ اور یہی ہر انسان کی سب سے بڑی تمنا اور آرزو ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط بنانے کے ساتھ اس پر مرتب ہونے والے انعامات سے سرفراز فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

ایمان پر ثابت قدمی

عن سفیان بن عبد الله الثقفی رضی الله تعالیٰ عنه قال قلت یا رسول الله قل لی فی الإسلام قولاً لا أسئل عنه أحدا بعدک و فی روایة غیرک قال قل آمنت بالله ثم استقم. (مشکوٰۃ)

''حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی ﷺ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ اسلام کے بارے میں مجھے ایسی نصیحت ارشاد فرمائیں کہ مجھے آپ ﷺ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہو کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور پھر اس پر قائم رہ۔''

ایمان ایک معاہدہ

اللہ جل شانہ پر ایمان لانا ایک معاہدہ ہے کہ اے اللہ! میں تیرے تمام احکامات کی پابندی کو اپنا نصب العین سمجھوں گا، تیری ہی اطاعت بجالاؤں گا، حلال وحرام اور تمام حدود میں تیرے قوانین کی پابندی کروں گا۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. (انعام: ۱۶۲)

'' میری نماز قربانی، جینا اور مرنا خالص اللہ رب العالمین کے لئے ہوگا۔''

اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں مخلوق کے کسی خوف وخطر کی پرواہ

نہیں کروں گا۔

وَلَا يَخَافُوْنَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِم (مائدہ : ۵۴)

''اور وہ اللہ کے (احکام کی بجا آوری) میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔''

گویا مومن اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ سارے اسلام کا خلاصہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے دو لفظوں میں بیان فرما دیا ہے۔

یہ نبی کریم ﷺ کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت کے ایسے مقام پر فائز کر دیا کہ مختصر لفظوں میں دین کا پورا خلاصہ بیان فرمایا جسے کہا جاتا ہے کہ کوزے میں دریا کو بند کر دیا۔

تو درحقیقت ایمان باللہ ایک معاہدہ ہے اور معاہدے کی پابندی شریعت اور عرف دونوں کی رو سے لازمی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے ایفاء عہد پر اپنی نعمتوں کی بشارت دی ہے اور احادیث میں عہد شکنی پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ فرمایا:

لا دین لمن لا عهد له.

''جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین (کامل) نہیں!۔''

ایفائے عہد کا بے مثال نمونہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي الْحَمْسَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُّبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهُ

بَقِيَّةٌ فَوَعَدتُهُ أَن آتِيَهُ بِهَا فِي مَكَانِهِ فَنَسِيتُ فَذَكَرتُ بَعدَ ثَلَاثٍ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنذُ ثَلَاثٍ أَنتَظِرُكَ. (مشکوٰۃ باب الوعد)

''عبداللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز خریدی، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے اور اس کی کچھ رقم باقی رہ گئی تھی تو میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی لاتا ہوں اسی جگہ۔ پھر میں بھول گیا تین دن بعد یاد آیا تو فوراً اس جگہ چلا آیا تو آپ ﷺ مجھے اسی جگہ ملے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھے مشقت میں ڈالے رکھا، میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

فائدہ:

نبی کریم ﷺ کی زندگی امت کے لئے نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کائنات کے بہترین اور اعلیٰ اعمال واخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی پوری زندگی امت کے لئے نمونہ ہوتی ہے بالخصوص سید الانبیاء ﷺ کی زندگی کہ آپ ﷺ نبوت ملنے سے پہلے بھی امین کے لقب سے شہرت پا گئے تھے اور اعلیٰ اخلاق کے لاتعداد واقعات آپ ﷺ سے صادر ہوئے۔

ایفاء عہد کا جو بہترین نمونہ نبی کریم ﷺ نے پیش فرمایا اس سے بہتر کوئی معلم نہیں بتا سکتا۔

اسلام وایمان کی علامات

عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله قسم بينكم أخلاقكم كما قسم بينكم أرزاقكم وإن الله يعطي الدنيا من يحب ومن لا يحب ولا يعطي الدين إلا من أحبَّ فمن أعطاه الله الدين فقد أحبه والذي نفسي بيده لا يسلم عَبدٌ حتى يُسلِمَ قلبُه ولسانه ولا يؤمن حتى يأمن جارُه بوائقه. (مشكوٰة)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم انے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اخلاق تم میں تقسیم کئے ہیں جیسے کہ تمہارے درمیان تمہارا رزق تقسیم کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ یہ دنیا دوست وغیر دوست سب کو دیتے ہیں البتہ (دین پر عمل کی توفیق) اس کو دیتا ہے جس سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ پس جس کو دین ملا تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے محبت کی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، مسلمان نہیں ہوسکتا کوئی جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا پڑوسی اسکا ضرر سے محفوظ نہ ہو۔''

فائدہ:

حدیث مبارکہ اپنے مقصد میں واضح ہے کہ اخلاق، مخلوقات کا رزق اور عمل یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو جتنا چاہے عطا کر دیتا ہے۔

اللّٰہ یعطی ویمنع.

کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ ہی دیتا اور اللہ ہی روکتا ہے۔ رزق بھی تقسیم شدہ اور اعمال واخلاق بھی۔ البتہ رزق اور مال اللہ تعالیٰ محبوب وغیر محبوب دونوں کو دیدیتے ہیں کیونکہ دنیا اور دنیا کے مال و دولت کی اللہ کے یہاں کوئی حیثیت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے یہاں دنیا کے مال و دولت کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر اس کو سونگھ بھی نہ پاتا۔

البتہ دین اور اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ اس کو دیتے ہیں جو اللہ کو پسند ہو۔ تو جو دین اور اچھے اخلاق سے آراستہ ہوتے ہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اللہ کو پسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

ایمان کی حلاوت کس طرح حاصل ہو؟

عَن أَنس رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ قال قال رسول الله صَلَّی اللّٰہُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ ثلث مَن کُنَّ فِیهِ وَجَدَبهن حَلاوَةَ الإِیمَانِ مَن کَانَ اللّٰہُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَیهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَن أَحَبَّ عَبدًا لا یُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَمَن یَکرَهُ أَن یَعُودَ فِی الکُفرِ بَعدَ إِذ أَنقَذَهُ اللّٰہُ مِنهُ کَمَا یَکرَهُ أَن یُلقَی فِی النَّارِ (بخاری ومسلم متفق علیه)

"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تین خصلتیں ایسی ہیں جن کے اندر یہ ہوں وہ ان کے سبب سے ایمان کی مٹھاس حاصل کرے گا۔ اول یہ کہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری یہ کہ صرف اللہ جل شانہ کی خاطر بندوں سے محبت کرے۔ تیسری یہ کہ جس کفر سے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہے اس کی طرف لوٹنا اتنا برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا برا سمجھتا ہے۔"

فائدہ:

ہر وہ شخص جس کا عقیدہ اسلام کے عقائد پر پختہ ہو وہ مسلمان ہی ہوتا ہے۔ لیکن ایمان کا کامل ذوق حاصل ہونا جو کہ انسان کو اسلامی اعمال کی ادائیگی پر مجبور کر دے اس کے لئے کچھ اور خصلتیں اور عادات ہونی چاہئیں جیسے انسان کو ظاہری صحت جسمانی کے ہوتے ہوئے کبھی زیادہ طاقت حاصل کرنے کے لئے کچھ دوائی استعمال کرنی ہوتی ہے تو اس ایمانی ذوق کو حاصل کرنے کے لئے تین خصلتیں بتائی گئی ہیں، اول یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے اتنی محبت ہو کہ ان کے علاوہ کے لئے دل میں جگہ نہ ہو اس کا اثر یہ ہوگا کہ ہر وقت اور ہر کام میں اس سوچ پر مجبور ہوگا کہ محبوب ناراض نہ ہو اور کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر نہ ہونے پائے۔ دوسرا یہ کہ جس بندے کے ساتھ محبت رکھے وہ صرف اللہ جل شانہ کی خاطر رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے کوئی دنیاوی مفاد مدنظر نہیں رکھے گا۔

تیسرا یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا جس سے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہے ایسا بچے جس طرح

آگ سے بچتا ہے۔ اس کے دل ہی میں نفرت ہوگی ایسے اعمال سے جو آگ کی طرف لے جانے والے ہوں۔ تو اس حدیث کا خلاصہ یہی نکلا کہ جس کو ایمان کا مکمل ذوق ومٹھاس حاصل کرنا ہو تو یہ خصلتیں اپنے اندر پیدا کرلے۔ یہ حدیث اسی کی ترغیب دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟

عن معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول : قال اللّٰه تبارک وتعالى : وَجَبَت مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيَّ والمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ والمتباذلين في . (مشكوٰة)

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ واجب ہوگئی میری محبت ان لوگوں کے لئے جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جو میری خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور جو میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔“

فائدہ:

محبت کرنا کسی سے یہ انسان کا فطری تقاضا ہے لیکن کبھی اس کو مناسب طریقہ

سے پورا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور کبھی اپنے نفس سے مغلوب ہو کر نامناسب طریقے سے اس کا تقاضا پورا کرتا ہے۔ اس حدیث قدسی میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو، ملاقات ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو خرچ بھی اللہ جل شانہ کیلئے ہو اور اس کے حکم کے مطابق ہو۔ کسی کی محبت میں مبتلا ہو کر شریعت کی راہ نہ چھوڑے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں،

الحب للّٰہ والبغض للّٰہ.

کا حکم کیا گیا ہے۔ کسی بھی شے سے ایسی محبت نہیں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول جائے۔ یا اس کو قصداً نظر انداز کر دے۔ اسی طرح ملاقات ایک دوسرے سے ملنا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو۔ یعنی کسی نیک آدمی سے ملاقات کرنا صرف نیک اور دین دار ہونے کی خاطر ہو۔ اور کسی پر خرچ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جہاں شریعت حکم کرے خرچ کرے اور جہاں منع کرے وہاں خرچ سے باز رہے۔ اسراف وفضول خرچی اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ ہر چیز کو اسلام کے آئینہ میں دیکھنا چاہئے۔

حبِّ نبی ﷺ کا معیار اور اس کا حصول کس طرح ہو؟

عن عبد الرحمن بن أبی قراد رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم توضأ یوما فجعل أصحابه

يتمسحون بوضوئه فقال لهم النبي صلى الله عليه وسلم :ما يحملكم على هذا، قالوا حب الله ورسوله . فقال النبي صلى الله عليه وسلم : من سره أن يحب الله ورسوله أويحبه الله ورسوله فليصدق حديثه إذا حدث وليؤد أمانته إذا اؤتمن وليحسن جوار من جاوره. (مشكوٰة)

''حضرت عبدالرحمٰن بن قراد ﷺ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا تو آپ ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کے وضوء کے پانی کو اپنے بدن پر ملنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں کس چیز نے اس پر آمادہ کیا؟'' تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے۔ پس فرمایا نبی ﷺ نے جس کو خوشی محسوس ہو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اور یا خوش ہو کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرے تو اس کو چاہئے کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور اگر کوئی اس کے پاس امانت رکھے تو ادا کرے اور جو پڑوسی بنے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

فائدہ:

یعنی جب تک کسی شخص کی محبت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے والدین اور اولاد اور دوسری مخلوق سے زیادہ نہ ہو تو وہ مسلمان کامل نہیں بن سکتا بلکہ نفس مسلمان ہونا مشکل ہے۔ یہاں محبت سے مراد عقلی وشرعی مراد ہے۔ طبعی محبت کبھی اولاد سے

غالب رہتی ہے، لیکن جب انسان عقل سے سوچے تو اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہونی چاہئے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہو اور اولاد کی جانب سے دوسرا، اس کے مخالف حکم ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی تو اس کے حکم پر عمل کیا جاتا ہے اور اگر اولاد کی محبت غالب ہو تو ان کی خواہش پوری کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس کی محبت غالب ہے۔ تو اگر ایمان کامل ہے اور محبت رسول اللہ ﷺ کی غالب ہے تو وہ اس کے مقابلہ میں سب کی خواہش کو ٹھکرا دے گا۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ دوسروں کی محبت غالب ہے۔

اس میں مؤمنین کا ایک امتحان بھی ہے اور حب رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل نصیب فرما دیں۔ آمین

ایمان کا لطف

ایمان کا مزہ کیسا ہوتا ہے اور کیسے نصیب ہوتا ہے؟

عَن أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ ثلث مَن كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ ان يكون اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَان يحَبَّ المرء لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَان يَكرَهُ أَن يَعُودَ فِي الكُفرِ كَمَا يَكرَهُ أَن يُلقَى فِي النَّارِ. (بخاری ومسلم متفق عليه)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ صرف اللہ کے لئے کسی سے دوستی رکھے، تیسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اسے اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی مٹھاس کیسے نصیب ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرور کائنات ﷺ کی محبت سے انسان حلاوت ایمان کی منزل کو پہنچتا ہے۔ ایمان کو کسی میٹھی چیز سے تشبیہ دے کر یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ جو دل غفلت، نفسانی خواہشات اور اس قسم کے دوسرے امراض سے محفوظ اور تندرست ہیں حقیقت میں وہی ثمرات محبت اور روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوسکیں گے، جیسے ایک تندرست اور صحیح معدہ رکھنے والا انسان ہی اچھی غذاؤں کے اصل ذائقہ کی لذت پاسکتا ہے اور غیر صحت منداور صفراء کے مریض اچھی غذاؤں کے لطف سے محروم ہوتے ہیں۔ مرغوب چیزوں کو معدہ جیسے اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اسی طرح ایمان بھی قلب سلیم کے نزدیک بہت ہی شیریں اور مرغوب ہے۔

اس ارشاد نبوی میں کہ جس میں تین باتیں ہونگی وہ ایمان کا مزہ، حلاوت پائے گا، حلاوت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں عموماً شارحین ومحدثین لکھتے ہیں کہ حلاوت معنوی مراد ہے کیونکہ ایمان کوئی حسی (محسوس کی جانے والی) چیز نہیں کہ اس کی حلاوت حسی مراد ہو، اب معنوی حلاوت کیا ہے اس بارے میں علامہ نوویؒ نے اس کو استلذاذ بالطاعات (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی

کر کے لذت پانے) سے تعبیر کیا ہے یعنی انشراح صدر ہوجائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کوئی تنگی اور دل پر بوجھ نہ ہو بلکہ انبساط خوشی اور اطمینان نصیب ہو۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (نساء: ۶۵)

"پس تیرے رب کی قسم! یہ کبھی مؤمن نہیں ہونگے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کر لیں۔"

چنانچہ حلاوت سے مراد یہ ہوا کہ اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ میں قلب کو شیرینی جیسی حلاوت محسوس ہو جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں کہا جو انہوں نے اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مکیؒ کی خدمت میں لکھا تھا کہ "بندہ کو بحمد للہ تین چیزیں حاصل ہیں جو محض اللہ کا فضل و کرم ہے پہلی چیز یہ کہ اطراف و اکناف سے دو سو سے زائد طالب علم مجھ سے حدیث شریف پڑھ کر اپنی اپنی جگہ درس دے رہے ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ امور شرعیہ امور طبعیہ کی مانند بن گئے ہیں یعنی امور شرعیہ کو چھوڑنے میں ویسی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسی کہ بھوک پیاس اور دھوپ سے طبعاً تکلیف ہوتی ہے اور امور شرعیہ کی طرف ویسی ہی رغبت ہوتی ہے جیسی کہ انسان کو بھوک کے وقت میں روٹی کی طرف اور پیاس کے وقت ٹھنڈے

پانی کی طرف طبعًا میلان ہوتا ہے تیسری چیز یہ کہ مادح اور ذام (یعنی تعریف اور مذمت کرنے والے) دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں۔

اب اس میں دوسری چیز جو حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنے اس مکتوب میں لکھی ہے وہی دراصل استلذ اذ بالطاعات (احکامات دین کی پیروی میں لذت پانا) ہے اس کو علامہ نوویؒ نے حلاوت معنوی فرمایا ہے، بعض لوگوں نے حلاوت معنویہ کی تشریح جزم بالایمان و انقیاد الی احکامه (ایمان پر یقین اور اس کے احکام پر خلوص سے عمل کرنا) سے کی ہے، ابن ابی جمرہؒ نے اس تفسیر کو فقہاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ بعض عارفین نے یہ کہا ہے کہ یہاں حلاوت معنویہ مراد لینے کی ضرورت نہیں بلکہ یہاں حسی حلاوت ہی مراد ہے، ارشاد نبویہ میں مذکور تین باتوں سے احساس حلاوت معلوم ہوتی ہے، اگرچہ ایمان باطنی چیز ہے لیکن اس کا اثر ظاہری جسم تک پہنچ جاتا ہے چنانچہ محدث عارف کبیر شیخ ابن ابی جمرہؒ نے منتخب بخاری پر جو شرح ''بہجۃ'' لکھی ہے اس کی جلد دوم صفحہ ۲۵ تا ۲۸ میں اس بارے میں بحث کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ نہیں کہ یہاں حلاوت حسیہ کا انکار کیا جائے وہ لکھتے ہیں کہ ''حلاوت ایمان'' ایک ایسی بات ہے کہ اس کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو خود بھی اس مقام تک پہنچتے ہوں لہٰذا اگر تمہیں یہ مٹھاس محسوس نہیں ہوتی تو جن کو محسوس ہوتی ہے ان کو نہ جھٹلاؤ۔''

حضرت شیخ سعدیؒ کا یہ شعر اس حلاوت حسی کی تائید و تصدیق کے لئے کافی ہے، فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام
شیر و شکر می شود جانم تام

"اللہ اللہ کس قدر میٹھا ہے یہ نام کہ جس سے مکمل جسم شیر وشکر ہو جاتا ہے۔"

یہاں حلاوت ایمان کے لئے تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ان میں سب سے بنیادی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ محبت کے لائق ہیں کیونکہ محبت کے تمام اسباب مکمل طور پر اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں، اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی محبت اور پھر تمام نیک لوگوں سے اللہ کی خاطر محبت رکھنا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے عجیب وغریب نظارے صحابہ کرام ﷡ کی حیات میں ملتے ہیں۔ ایک انصاری عورت کا باپ، اس کا بھائی اور شوہر شہید ہوئے وہ عورت آ کر پکارتی رہی ہر ایک کے متعلق یہ خبر ملی کہ وہ شہید ہو گیا اس پر اس نے کچھ نہ کہا، بعد میں رسول اکرم ﷺ کی خیریت دریافت کی، لوگوں نے بتایا کہ خیریت سے ہیں تو اس نے کہا مجھے دکھاؤ تاکہ دیکھ کر یقین کرلوں جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپ ﷺ کے بعد تو تمام مصیبتیں حقیر ہیں۔"

اللہ کی نظر میں مقبولیت کی پہچان صرف ایمان ہے۔

عن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله قسم بينكم اخلاقكم كما قسم بينكم أرزاقكم وإن الله يعطى الدنيا من يحب ومن لا يحب ولا يعطى الإيمان إلا من يحب.

(رواه الحاكم في المستدرك قال الذهبي صحيح الاسناد)

''حضرت عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی کی تقسیم کی ہے، اسی طرح
تمہارے اخلاق کی بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ وفراخ رکھا
ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی کے وسیع رکھے ہیں) وہ
دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو
بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولتِ ایمان صرف اسی کو دیتا ہے
جس کو محبوب رکھتا ہے۔'' (ترجمانِ السنۃ: ج ۱/ ص ۵۰۵)

فائدہ:

اسلام میں خدا کے دوست ودشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ ودولت وشہرت وعہدہ ومنزلت پر نہیں بلکہ ایمان وکفر پر ہے، دنیا کی دولت دوست ودشمن سب ہی میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصے میں لگا دی گئی ہے۔ یہی بات قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ. (بقرہ: ۶۵)

گویا مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان باللہ کا نتیجہ محبت الٰہی کا حصول ہے۔

ایمان کی بدولت جنت کی بازی جیت گیا

عن أبی إسحاق قال سمعت البراء رضی اللہ تعالیٰ
عنه یقول أتی النبی صلی اللہ علیه وسلم رجل مقنع
بالحدید فقال یا رسول اللہ أقاتل أو أسلم قال أسلم ثم

قاتل فأسلم ثم قاتل فقتل فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم عمل قلیلا وأجر کثیرا. (بخاری)

''حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص زرہ پہنے سرتا پا لوہے میں ڈھکا ہوا آیا، اس نے کہا یا رسول اللہ! میں پہلے جہاد میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لے آؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر اس کے بعد جہاد کرنا۔ چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہوا اس کے بعد جہاد کیا اور شہید ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت پا گیا۔''

فائدہ:

یعنی کفر کے ساتھ بڑے بڑے اچھے عمل بے وزن اور ایمان کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی بہت بھاری ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا.

(فرقان : ۲۳)

''ان کفار و مشرکین کے تمام اعمالِ خیر کو ضائع و بے کار کر کے خس و خاشاک کی طرح اُڑا دیا جائے گا۔''

(اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل نصیب فرمائے، آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆

رمضان المبارک

کی

اہمیت، آداب و معمولات

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا **حسین احمد مدنی** رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد المؤمنین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا **حماد اللہ ہالیجوی** رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

رمضان کا روزہ رکھنا

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایمان کے ساتھ (یعنی شریعت کو سچ جانتے ہوئے اور فرضیت رمضان کا اعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر (یعنی کسی خوف یا ریا کے طور پر نہیں بلکہ خالصتاً رضاء مولیٰ کے طور پر) رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے۔ نیز جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی خاطر رمضان میں کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے اسی طرح جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ (یعنی شب قدر کی حقیقت کا ایمان و اعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے۔''

(بخاری و مسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم. اما بعد!

رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلیغ خطبہ استقبالیہ

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر یوم من شعبان قال ایھا الناس قد اظلکم شھر عظیم مبارک شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر شھر جعل اللہ صیامہ فریضۃ و قیام لیلہ تطوعًا من تقرب فیہ بخصلۃ کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ و من ادی فریضہ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ وھو شھر الصبر و الصبر ثوابہ الجنۃ و شھر المواساۃ و شھر یزاد فیہ رزق المؤمن من فطر فیہ صائمًا کان مغفرۃ لذنوبہ و عتق

رقبته من النار و كان له مثل اجره من غير ان ينقص من اجره شيء قالوا يا رسول الله ليس كلنا يجد ما يفطر الصائم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطى الله هذا الثواب من فطر صائمًا على مذقة لبن او شربة من ماء و من اشبع صائمًا سقاه الله من حوضي شربة لا يظمأ حتى يدخل الجنة و هو شهر اوله رحمة و اوسطه مغفرة و اخره عتق من النار و من خفف عن مملوكه فيه غفر الله له و اعتقه من النار.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت سلمان ﷺ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا' اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینے میں ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا

ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے
زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ وہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر
کا بدلہ جنت ہے۔ وہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ
مہینہ ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے
جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب
حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے گناہوں کی مغفرت
اور دوزخ کی آگ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار
کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ بغیر اسکے کہ روزہ دار کے ثواب میں
کوئی کمی کی جائے (یعنی روزہ دار کے ثواب سے روزہ افطار
کرانے والے کو نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کو رحمت کے خزانے
سے الگ ملے گا)۔''

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ:

یارسول اللہ (!) ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان
میسر نہیں ہوتا (تو کیا ہم میں سے جو غریب ہیں وہ اس ثواب سے
محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس
شخص کو بھی دے گا جو کسی روزہ دار کو ایک کھجور پر یا صرف ایک
گھونٹ پانی پر یا دودھ کی تھوڑی سی لسی پر افطار کرادے۔ (اس
کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) مبارک ماہ کا ابتدائی حصہ رحمت ہے
اور درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم کی آگ سے آزادی
ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے
میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کردے گا، اللہ

تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔“

فائدہ:

اس ماہ مبارک کی اتنی اہمیت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو خاص طور پر مخاطب فرمایا اور بیان فرما کر انہیں آگاہ کیا کہ دیکھو ایک مہینہ عظمتوں اور برکتوں والا آنے والا ہے پہلے سے ہوشیار اس لئے کیا جارہا ہے کہ اس مہینے کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے پائے۔ نہایت قیمتی مہینہ ہے اس کی قدر کرو اس کی عزت و احترام کا پورا لحاظ کر کے محنت اور مشقت کے ساتھ زندگی گزاردو۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اس مبارک خطبے میں رمضان شریف کے فضائل اور احکام بڑے پیارے اور دلنشین انداز میں نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

بعض علماء نے اس اہم ترین اور باعظمت عبادت کے بے انتہا فضائل دیکھ کر اس کو نماز جیسی عظیم الشان عبادت پر ترجیح اور فضیلت دی ہے۔ اگرچہ یہ بعض ہی علماء کا قول ہے جبکہ اکثر علماء کا مسلک یہی ہے کہ نماز تمام اعمال سے افضل ہے اور اسے روزہ پر بھی ترجیح حاصل ہے مگر بتانا تو صرف یہ ہے کہ جب اس بات میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ تو اب ظاہر ہے کہ نماز کے علاوہ اور کوئی بھی دوسرا عمل روزہ کے برابر نہیں ہوسکتا۔

رمضان کا اہتمام ماہ رجب سے

جناب نبی کریم ﷺ اس مہینے کا اہتمام رجب کے مہینے سے شروع فرماتے جب

رجب کا چاند نظر آتا تو آپ ﷺ فرماتے:

اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان٥

"اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت نازل فرما اور ہمیں رمضان المبارک تک پہنچادے۔"

یعنی اس وقت تک ہم کو زندگی نصیب فرما تاکہ رمضان المبارک کی خیر و برکات حاصل کرسکیں۔ یہ آپ ﷺ کی دعا ہوتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کے لئے پہلے سے اہتمام فرماتے تھے اور شعبان کے مہینے میں تو آپ ﷺ کا معمول تھا کہ تقریباً پورا مہینہ آپ ﷺ کا روزے میں گزرتا الا ماشاء اللہ کوئی ایک دو دن ناغہ ہوجائے ورنہ پورا مہینہ روزے میں گزرتا۔ وہ اس لئے کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کے خیر و برکات کے لئے اپنے کو تیار کررہے ہیں۔

امت کیلئے ضابطہ

امت کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ پندرہ شعبان کے بعد روزہ نہ رکھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کمزور ہوجائے اور رمضان المبارک میں جو محنت اور مشقت کرنی ہے وہ نہ ہوسکے۔ ہم لوگوں کا کام تو کھانے سے چلتا ہے، روٹی کھاتے رہیں گے کمر میں طاقت ہوگی، کام کرسکیں گے۔ ایک دو وقت فاقہ ہوجائے تو طاقت نہیں کہ کھڑے ہوسکیں لیٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی غذا

انبیاء علیہم السلام کی شان تو الگ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی

غذا روحانی غذا ہے۔ وہ روح کی قوت سے سارے کام کرتے ہیں اگر ان کو کھانا نہ ملے تو ان پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا کرتا۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

"الحمدللہ! مجھے غذا کی ضرورت نہیں ہے لیکن اتباع سنت کے لئے دو چار لقمے کھالیا کرتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے کھانا کھایا ہے۔"

لطیفہ: حضرت نانوتویؒ اور پنڈت کا مناظرہ

ایک ہندو مشہور آریہ پنڈت تھا اس کا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ طے ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو بھیجا کہ جا کر اس سے وقت اور دیگر ساری باتیں طے کر کے آئیں۔ دو چار حضرات، پنڈت کے پاس پہنچے تو اس کے خادموں نے کہا کہ پنڈت جی کھانا کھا رہے ہیں۔ باورچی خانہ میں ان حضرات نے دیکھا کہ ایک تھال میں سبزی اور چاول رکھے ہوئے ہیں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو ان لوگوں نے پوچھا کہ کھانے میں ساتھ کون ہے؟ خادموں نے کہا کہ کوئی نہیں پنڈت جی اکیلے ہیں۔ ان لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اتنا سارا کھانا جو رکھا ہوا ہے وہ سب کھا جائیں گے؟ کہا کہ ہاں! وہ اکیلے ہی سب کھا جائیں گے اور واقعتاً وہ سب کھا بھی گئے۔

ان حضرات کو یقین نہیں آیا کہ ایک آدمی اتنا کھانا کیسے کھا سکتا ہے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی اور آدمی نہیں ہے۔ خیر بات چیت طے ہوگئی۔ یہ لوگ جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے کہ حضرت

اگر کھانے میں مناظرہ ہوا تو آپ ہار جائیں گے اس لئے کہ ہم نے اس کو اتنا کھاتے ہوئے دیکھا کہ ہم حیران ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''ارے بے وقوف یہ کیوں کہتے ہو کہ کھانے میں مناظرہ ہوا تو ہار جائیں گے یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر نہ کھانے میں مناظرہ ہوگا تو وہ مر جائے گا۔ اس لئے کہ ہمیں کھانے کی ضرورت نہیں، کھائیں تو، نہ کھائیں تو، دونوں ہمارے لئے برابر ہے لیکن ایک وقت کا کھانا اس کو نہ ملے تو وہ مر جائے گا۔

بہر حال نبی کریم ﷺ کا شعبان میں مشقت اٹھانا روحانیت کی ترقی کے لئے تھا کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کثرت سے ہوتی تھی۔ تلاوت کثرت سے ہوتی تھی، امت کے لئے قاعدہ یہی ہے کہ پندرہ تاریخ تک جو روزہ رکھنا ہو رکھ لیں۔ بعد میں کھاتے پیتے رہیں تا کہ طاقت رہے اور رمضان میں محنت و مشقت اٹھا سکیں۔

حضور ﷺ کا رمضان میں قرآن کریم کا دور اور جود و سخاوت

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جود و سخاوت میں تمام انسانوں سے بڑھ کر تھے اور رمضان المبارک میں جب کہ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔ آپ ﷺ کی سخاوت بہت ہی بڑھ جاتی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔

پس آپ ﷺ سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ فیاضی وسخاوت اور نفع رسانی میں بادِ رحمت سے بڑھ کر ہوتے تھے۔'' (صحیح بخاری)

حضور ﷺ کے خطبہ کی مختصراً تفصیل

رمضان المبارک ایسا مبارک مہینہ ہے جو دوسرے مہینوں سے بڑا ممتاز ہے عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان نیکی اور سعادت والے کاموں کی طرف بڑھ جاتا ہے بہت سے ایسے لوگ جنہیں دین سے تھوڑی سی بھی رغبت اور لگاؤ ہوتا ہے اپنی روش کو بدل لیتا ہے اور طاعات وحسنات میں لگاؤ بڑھا لیتا ہے۔
حضور ﷺ نے ماہ شعبان کے آخر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جو تفصیلی خطبہ دیا ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ رمضان کے مہینہ کی عظمت اور فضیلت ذکر فرمائی ہے۔
ترتیب کے ساتھ اسی پر کچھ گفتگو کرنی ہے

ماہ رمضان کی سب سے بڑی فضیلت

پہلی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

قد اظلکم شهر عظيم مبارک

اے لوگو! تمہارے اوپر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ آنے والا ہے اس کو بڑی عظمت بھی حاصل ہے اور خیر وخوبی بھی حاصل ہے، جو دوسرے تمام گیارہ مہینوں میں سے کسی کو حاصل نہیں اور نہ ہی کسی دوسری امتوں کو یہ خیر وخوبی دی گئی۔

ماہ رمضان کے فضائل احادیث کی روشنی میں

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان صفدت الشیطین و مردۃ الجن و غلقت ابواب النار فلم یفتح منھا باب و فتحت ابواب الجنہ فلم یغلق منھا باب و ینادی منادیا باغی الخیر اقبل و یا باغی الشر اقصر وللہ عتقاء من النار و ذالک کل لیلۃ .(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات قید کردیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔ پھر اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور اعلان کرنے والا (فرشتہ) یہ اعلان کرتا ہے کہ: ''اے بھلائی (یعنی نیکی و ثواب) کے طلب گار (اللہ کی طرف) متوجہ ہوجا اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے برائی سے باز آجا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے۔ (یعنی اللہ رب العزت اس ماہ مبارک کے وسیلے سے بہت سے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے' اس لئے ہوسکتا ہے کہ تو بھی ان لوگوں میں شامل ہوجائے اور یہ اعلان (رمضان کی) ہر رات میں ہوتا ہے۔''

فائدہ:

ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی شیطانوں کو اس لئے قید کردیا جاتا ہے تاکہ وہ روزہ داروں کو نہ بہکائیں اور ان کے دلوں میں وسوسوں اور گندے خیالات کا بیج نہ بوئیں چنانچہ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ماہ رمضان میں اکثر گناہ گار گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ البتہ ایسے بدبخت بھی ہوتے ہیں جو ماہ مبارک میں بھی گناہ و معصیت سے باز نہیں آتے تو اس کی وجہ وہ اثرات ہوتے ہیں جو رمضان سے قبل ایام میں شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ان کے اتباع میں راسخ ہوتے ہیں۔ یعنی چونکہ ان کے ذہن وفکر اور ان کی عملی قوت پہلے ہی سے شیطان کے زیر اثر ہوتی ہے اور ان کا نفس اس کا عادی ہو چکا ہوتا ہے' اس لئے ایسے لوگ اپنی عادت سے مجبور ہو کر رمضان میں بھی گناہ و معصیت سے بچ نہیں پاتے۔

اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی' اس کی عبادت اور اس کی رضا و خوشنودی کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ وقت ایسا ہے کہ اگر تھوڑا بھی نیک عمل کیا جائے اتو اس کا ثواب ملے گا اور معمولی درجے کی نیکی بھی سعادت و نیک بختی کے اونچے درجے پر پہنچائے گی۔ اس طرح برائی سے باز آجانے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ و معصیت کے راستے کو چھوڑ دے، نیکی اور بہتری کی راہ اپنا لے اور کئے ہوئے گناہوں سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی توجہ لگا دے کیونکہ قبولیت دعا اور مغفرت کا یہ بہترین وقت ہے۔

رمضان کا روزہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ایمانًا و احتسابًا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ و من قام رمضان ایمانا و احتسابًا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ و من قام لیلۃ القدر ایمانا و احتسابًا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ. (متفق علیہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایمان کے ساتھ (یعنی شریعت کو سچ جانتے ہوئے اور فرضیت رمضان کا اعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر (یعنی کسی خوف یا ریا کے طور پر نہیں بلکہ خالصتاً رضاء مولیٰ کے طور پر) رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے۔ نیز جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی خاطر رمضان میں کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے اسی طرح جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ (یعنی شب قدر کی حقیقت کا ایمان و اعتقاد رکھے ہوئے) اور طلب کی خاطر کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے۔''

فائدہ:

رمضان میں کھڑا ہونے سے مراد یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھے

تلاوت قرآن کریم اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے نیز اگر حرم شریف میں ہو تو طواف وعمرہ کرے یا اسی طرح دوسری عبادات میں اپنے آپ کو مصروف رکھے۔ ''شب قدر میں کھڑا ہونے'' کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر میں عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ خواہ اس رات کے شب قدر ہونے کا علم اسے ہو یا نہ ہو۔

غفر له ماتقدم من ذنبه.

''اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے
پہلے کیے تھے۔''

اس کے بارے میں علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اعمال خیر جو گناہوں کو ختم کرنے والے ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہوں کو تو مٹا ڈالتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کو ہلکا کر دیتے ہیں اور اگر کسی خوش نصیب کے نامۂ اعمال میں گناہ کا وجود ہی نہیں ہوتا تو پھر ان اعمال خیر کی وجہ سے جنت میں اس کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

شب قدر کے فضائل و برکات

دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

فيه ليلة خير من الف شهر.

''یعنی اس مہینے میں ایک رات ایسی آنے والی ہے جو ہزار مہینوں
سے بہتر ہے۔''

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ کلام پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل

بتلایا ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی (۸۳) سال چار مہینے ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے جو شخص اِس ایک رات کو عبادت میں گزار دے اس نے گویا (۸۳) تراسی سال چار مہینے سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گزار دیا اور اس سے زیادہ بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل رمضان میں بحوالہ در منثور بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:

''شب قدر حق تعالیٰ جل شانہ نے میری امت کو مرحمت فرمائی ہے پہلی امتوں کو نہیں ملی۔''

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا؟ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت لمبی لمبی ہیں تو آپ ﷺ کی امت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن اِس سے اللہ کے لاڈلے نبی ﷺ کو رنج ہوا اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جائیں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا (۸۳۳) آٹھ سو تینتیس سال چار ماہ سے بھی زیادہ کامل عبادت میں گزار دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستے میں جہاد کرتا رہا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر رشک آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لئے اس رات کا

نزول فرمایا۔

بہرحال امت محمدیہ کے لئے یہ اللہ جل شانہ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس رات میں عمل اسی کی توفیق سے میسر ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ:

''نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام، فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اس شخص کے لئے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے (اور عبادت میں مشغول ہے) دعائے رحمت کرتے ہیں اور جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جل شانہ اپنے فرشتوں کے سامنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں (اس لئے کہ انہوں نے انسانوں کی پیدائش پر طعن کیا تھا) اور ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس مزدور کا جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کر دے کیا بدلہ ہے وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اجرت پوری دے دی جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضہ کو پورا کر دیا پھر دعا کے ساتھ چلاتے ہوئے (عیدگاہ کی طرف) نکلے ہیں۔ میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میری بخشش کی قسم، میرے علوشان کی قسم، میرے بلندی مرتبہ کی قسم، میں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر ان لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔''

پس یہ لوگ عیدگاہ سے اس حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں:

شب قدر کونسی رات ہے؟

عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تحروا لیله القدر فی الوتر من العشر الا واخرمن رمضان. (مشکوۃ)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر (شب قدر) کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔''

جمہور علماء کے نزدیک آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ عام ہے کہ مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں کرنا چاہئے اگر مہینہ ۲۹ کا ہوتا ہے تب بھی اخیر عشرہ یہی کہلاتا ہے مگر ابن حزم کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دس کے ہیں لہٰذا اگر ۳۰ کا چاند رمضان المبارک ہو تب تو یہ ہے لیکن اگر ۲۹ کا چاند ہو تو اس صورت میں اخیر عشرہ بیسویں شب سے شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں وتر (طاق) راتیں یہ ہوں گی ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸ لیکن نبی کریم ﷺ لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وہ بالاتفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا اس لئے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی احتمال ہے اور دونوں قولوں پر تلاش جب ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لیکر عید کی رات تک ہر رات میں جاگتا رہے اور شب قدر کی فکر میں لگا رہے۔ دس

گیارہ راتیں کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جن کو جاگ کر گزار دینا اس شخص کے لئے کچھ مشکل ہو جو ثواب کی امید رکھتا ہو۔

شب قدر کے معمولات

شب قدر عبادت کی رات ہے، اس میں خوب اہتمام سے عبادت کرنی چاہئے خود بھی بیدار ہو کر، اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی ترغیب دے کر عبادت میں خوب ذوق وشوق کے ساتھ لگنا چاہئے، نوافل کا خاص اہتمام کریں، لیکن نوافل جتنی پڑھیں خوب بنا سنوار کر ادا کریں، رکوع وسجود نہایت اطمینان سے ادا کریں، تو چل میں آیا والا قصہ نہ کریں جلدی جلدی اٹھک بیٹھک سے کوئی فائدہ نہیں ایسی نماز نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

شب قدر کے فضائل اور برکات حاصل کرنے کے لئے

درج ذیل اعمال کا اہتمام کریں

(۱) عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا۔

(۲) واضح رہے کہ اس شب میں کوئی خاص عبادت مقرر نہیں ہے، ذکر وتلاوت، تسبیحات ونوافل اور دعا جو دل چاہے کریں۔

بعض لوگ اس شب میں اشتہارات شائع کرتے ہیں، ان میں شب قدر کے اندر خاص خاص طریقوں سے نوافل پڑھنے پر خاص خاص فضائل کا تذکرہ ہوتا

ہے وہ سب غیر معتبر اور غیر مستند ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔

نوافل اس شب میں اسی طرح پڑھنی چاہئے جیسا کہ عام زمانے میں پڑھا کرتے ہیں، البتہ نوافل خوب بناؤ سنوار کے ساتھ ادا کرنی چاہئے، رکوع وسجدے پورے اطمینان سے ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

(۳) صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام کرنا یا صلوٰۃ التوبہ پڑھنا۔

(۴) سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ،
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

کی تسبیح پڑھنا۔

(۵) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ
اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

کی تسبیحات پڑھنا۔

(۶) درود شریف کی جس قدر ہوسکے تسبیحات پڑھنا۔

(۷) قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

(۸) شب قدر کے آخری حصے میں تہجد کا اہتمام کرنا۔

(۹) اس مبارک رات میں سب سے اہم کام دعا مانگنا ہے۔ خوب گڑگڑا کر، رورو کر دعائیں کرنا۔ اپنے لئے اپنے والدین عزیز واقارب کیلئے اور احقر کیلئے بھی بخشش اور عفو ومغفرت کی دعا کریں، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگیں، اور جنت الفردوس کو طلب کریں۔

شب قدر میں یہ دعا منقول ہے۔ وقفہ وقفہ سے یہ دعا بطورِ خاص کرنا، وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی.

''اے اللہ! بے شک آپ معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا مجھے معاف کر دیجئے۔

اور یہ دعا بھی مانگ لیں تو اچھا ہے۔''

''اے اللہ! سرکارِ دو عالم ﷺ نے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اور صحابۂ کرام ؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین نے آج تک آپ سے دنیا اور آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب مجھے عطا فرما دیجئے، اور دنیا اور آخرت کی جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے ان سب سے مجھ کو بھی پناہ دے دیجئے۔''

اس کے علاوہ اور جو اپنی حاجات ہوں، اللہ تعالیٰ سے عرض کرنا، یہ دعا کرنے کی رات ہے اس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۹) ساری رات جاگنا ضروری نہیں ہے، جتنی دیر بشاشت کے ساتھ عبادت ہو سکے، عبادت کرنا، اور جب طبیعت تھک جائے، آرام کرنے کو جی چاہے یا نیند آنے لگے تو سو جانا، دو چار گھنٹے آرام کر کے اخیر شب میں بیدار ہو جانا، تہجد پڑھنا، دعا کرنا اور فجر کی نماز با جماعت ادا کرنے کی کوشش کرنا، انشاء اللہ ثواب سے محرومی نہ ہوگی۔

(۱۰) نوافل اور عبادت جہاں تک ہو سکے تنہائی میں یا اپنے گھر میں کرنا۔ مساجد میں اجتماعی صورتیں اختیار کرنے سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ نفلی عبادات

چھپ کر کرنا افضل ہے اور اجتماعی شکل میں بہت سے مفاسد ہیں۔

(۱۱) اس مبارک رات میں ہر قسم کے تمام گناہوں سے توبہ کرنا اور ان سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کرنا۔

رمضان شریف کے روزے فرض ہیں

تیسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

شهر جعل الله صيامه فريضه.

نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ یہ مہینہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں روزے کو فرض قرار دیا ہے اس میں روزہ رکھنا فرض ہے۔

اور قرآن کریم میں بھی صراحت کے ساتھ اس کا بیان آیا ہے چنانچہ سورہ بقرہ میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ:

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے گزرے تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔"

(سورہ بقرہ: ۱۸۴)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ان میں سے چوتھے رمضان کے روزے ہیں۔

ماہِ رمضان عظیم اخروی دولت

ماہ رمضان مسلمانوں کی ایسی دینی دولت ہے جس سے ان کو مختلف النوع فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ روزہ اسلام کی عبادت کا چوتھا رکن ہے عربی میں اس کو صوم کہتے ہیں جس کے معنی رُکنے اور چپ رہنے کے ہیں اسلام کی زبان میں روزہ

کا کیا مفہوم ہے وہ درحقیقت نفسانی ہوا وہوس اور بہیمی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص وہوا ڈگمگا دینے والے موقعوں میں اپنے آپ کو ضابطہ اور ثابت قدم رکھنے کا نام ہے روزانہ استعمال میں عام طور سے نفسانی خواہشوں اور انسانی حرص وہوا کا مظہر تین چیزیں ہیں یعنی کھانا پینا اور عورت و مرد کے جنسی تعلقات۔ انہی سے ایک مدت معینہ تک رکے رہنے کا نام شرعاً روزہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ باطنی خواہشوں اور برائیوں سے دل اور زبان کا محفوظ رکھنا بھی خواص کے نزدیک روزہ کی حقیقت میں داخل ہے۔

روزہ دار کو ایک ماہ تک ان تمام باتوں سے پرہیز کرنا ہوتا ہے جو انسان کے نفس کو موٹا اور اس کی طبیعت کو اچھے انسانی اخلاق سے برگشتہ بناتی ہے۔ اس کو ایک طرف اپنے پروردگار کے سامنے بندگی کی ذمہ داریوں کو انجام دینے کا بھرپور موقع ملتا ہے دوسری طرف اپنی انسانی برداری کے ساتھ ہمدردی اور دلداری کے حقوق بھی ادا کرنے ہوتے ہیں بندگی کے اظہار میں عمل عبادت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنی راحت اور اپنی مرضی کو قربان کرنا ہوتا ہے۔

اس قربانی میں نفس کی قربانی بھی ہوتی ہے بدنی راحت کی بھی قربانی ہوتی ہے۔ رمضان المبارک کا یہ مہینہ درحقیقت پروردگار کے سامنے بندگی کے اظہار کے لئے ایک ماہ کا ایک خاص تسلسل ہے جو گیارہ مہینوں کے وقفہ سے ہر سال آتا ہے۔ اس کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ پروردگار نے اس عمل کی جزا خصوصی طور اپنی طرف سے اداء کرنا رکھی ہے۔ روزوں کے اس مہینہ کی برکت وعظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے اس میں بڑے شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں

بندگانِ خدا کو ان کے شر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے اس مہینہ کو روزوں کے علاوہ کئی اہم اسلامی خصوصیات و مواقع کے ساتھ وابستہ بھی کیا گیا ہے اس ماہ میں قرآن مجید نازل ہوا جو آخری اور جامع ترین کتاب ہدایت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کی یہ عظیم خصوصیت بتائی ہے۔ فرمایا

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی الناس
وبینات من الهدیٰ والفرقان (البقره: ۱۸۵)

''رمضان کا یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے، اور (اس میں) ہدایت کی روشن باتیں ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق واضح کرنے والا ہے۔''

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔

یاایها الذین امنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی
الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقره: ۱۸۴)

''اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔''

روزے کے درجات

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ روزے کے تین درجے ہیں۔ عام، خاص، خاص الخاص۔

عام روزہ تو یہی ہے کہ شکم اور شرمگاہ کے تقاضوں سے پرہیز کرے جس کی تفصیل

فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور خاص روزہ یہ ہے کہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء کو گناہوں سے بچائے، وہ صالحین کا روزہ ہے اور اس میں چھ باتوں کا اہتمام لازم ہے۔

اوّل:۔ آنکھ کی حفاظت کہ آنکھ کو ہر مذموم و مکروہ اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی چیز سے بچائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے نظر بد کو ترک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان نصیب فرمائیں گے کہ اس کی حلاوت (شیرینی) اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ (رواہ الحاکم وصحح اسنادہ من حدیث حذیفہ)

دوم:۔ زبان کی حفاظت کرے کہ بے ہودہ گوئی، جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم اور لڑائی جھگڑے سے اسے محفوظ رکھے۔ اسے خاموشی کا پابند بنائے اور ذکر اور تلاوت میں مشغول رکھے۔ یہ زبان کا روزہ ہے۔ سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ غیبت اور جھوٹ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں کسی کا روزہ ہو تو نہ کوئی بے ہودہ بات کرے، نہ جہالت کا کوئی کام کرے اور اگر اس سے کوئی شخص لڑے جھگڑے یا اسے گالی دے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔ (صحاح)

سوم:۔ کان کی حفاظت کہ حرام اور مکروہ چیزوں کے سننے سے پرہیز رکھے، کیونکہ جو بات زبان سے کہنا حرام ہے اس کا سننا بھی حرام ہے۔

چہارم:۔ بقیہ اعضاء کی حفاظت کہ ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء کو حرام اور مکروہ کاموں سے محفوظ رکھے اور افطار کے وقت پیٹ میں کوئی مشتبہ چیز نہ ڈالے کیونکہ

اس کے کوئی معنی نہیں کہ دن بھر تو حلال سے روزہ رکھا اور شام کو حرام چیز پر کھولا۔
پنجم :۔ افطار کے وقت حلال کھانا بھی اس قدر نہ کھائے کہ ناک تک آجائے۔
حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں جس کو آدمی بھرے۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم من حدیث مقدام بن معدیکرب ﷺ)

اور جب شام کو دن بھر کی ساری کسر پوری کرلی تو روزہ سے شیطان کو مغلوب کرنے اور نفس کی شہوانی قوت توڑنے کا مقصد کیونکر حاصل ہوگا۔)؟

ششم :۔ افطار کے وقت اس کی حالت خوف ورجا کے درمیان مضطرب رہے کہ نامعلوم اس کا روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوا۔ یہی کیفیت ہر عبادت کے بعد ہونی چاہئے اور خاص الخاص روزہ یہ ہے کہ دنیوی افکار سے قلب کا روزہ ہو اور ماسوائے اللہ سے اس کو بالکل ہی روک دیا جائے۔ البتہ جو دنیا کہ دین کے لئے مقصود ہو وہ تو دنیا ہی نہیں بلکہ توشہ آخرت ہے۔ بہرحال ذکر الٰہی اور فکر آخرت کو چھوڑ کر دیگر امور میں قلب کے مشغول ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ارباب قلوب کا قول ہے کہ دن کے وقت کاروبار کی اس واسطے فکر کرنا کہ شام کو افطار مہیا ہو جائے یہ بھی ایک درجے کی خطا ہے گویا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رزق موعود پر اس شخص کو وثوق اور اعتماد نہیں۔ یہ انبیاء صدیقین اور مقربین کا روزہ ہے۔ (احیاء العلوم: ج ۲، ص ۱۹۹)

تنبیہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے کلمہ شہادت' نماز' روزہ جو شخص ان میں سے ایک بھی

چھوڑ دے وہ کافر ہے اس کا خون حلال ہے۔ گو علماء نے یہ وعید ان لوگوں کے حق میں بتلائی ہے جو روزہ کا انکار کردیں مگر یہ بات ضرور ہے کہ رسول کریم ا کے ارشادات روزے نہ رکھنے والوں کے بارے میں سخت سے سخت ہیں، لہٰذا دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر اس اہم فرض میں کوتاہی کرنا اور روزہ نہ رکھنا سخت گناہ ہے اس سے بچیں اور روزہ خود بھی رکھیں اور اپنے متعلقین اور اہل و عیال کو بھی رکھوائیں۔

روزہ دار کیلئے جنت میں مخصوص دروازہ

”عن سهل بن سعد رضی الله تعالیٰ عنه قال ان فی الجنة بابا يقال له الريان يدخل منه الصائمون يوم القيمه لا يدخل منه احد غيرهم يقال اين الصائمون؟ فيقومون لايدخل منه احد غيرهم فاذادخلوا اغلق فلم يدخل منه احد“

”حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو باب الریان کہا جاتا ہے اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا۔ ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہوسکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور وہ بھوک

پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے وہ اس پکار پر چل پڑیں گے ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔"

اسی طرح دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ عليه وسلم كل عمل ابن ادم يضاعف الحسنة بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف قال الله تعالیٰ الا الصوم فانه لی وانا اجزی به يدع شهوته وطعامه من اجلی للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فم الصائم اطيب عندالله من ريح المسک والصيام جنة واذا كان يوم صوم احدكم فلا يرفث ولا يصخب فان سابه احد او قاتله فليقل انی امرء صائم. (رواه البخاری ومسلم)

"حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق

عام قانونِ الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمالِ حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانونِ رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے (ایک تحفہ) ہے اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہشِ نفس اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں: ایک افطاری کے وقت اور دوسری اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت۔ اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ (دنیا میں شیطان ونفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتشِ دوزخ سے حفاظت کے لئے) ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ بکے

اور شور وشغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا
جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔"

روزہ دار کے لئے پرہیز

عَن ابی هریرهؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه
وسلم امن لم یدع قول الزورو العمل به فلیس للّٰہ
حاجة فی ان یدع طعامه وشرابة.

(رواه البخاری)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ
جس شخص نے (روزے کی حالت میں) بے ہودہ باتیں کرنا (مثلاً
غیبت، بہتان، تہمت، گالی گلوچ، لعن طعن، غلط بیانی وغیرہ) اور
گناہ کا کام نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا
پینا چھوڑے۔" (بخاری، مشکوٰۃ)

عن ابی هریرهؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه
وسلم من صیائم لیس له من صیامه الا الظمآو کم من
قائم لیس له من قیامه الا السهر. (مشکوٰۃ ص ۱۷۷)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
کتنے ہی روزے دار ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے سوائے
(بھوک) پیاس کے کچھ حاصل نہیں، کیونکہ وہ روزے میں بھی
بدگوئی، بدنظری اور بدعملی نہیں چھوڑتے اور کتنے ہی (رات کے تہجد

میں) قیام کرنے والے ہیں جن کو اپنے قیام سے ماسوائے جاگنے کے کچھ حاصل نہیں۔" (دارمی، مشکوۃ)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ ڈھال ہے کہ نفس وشیطان کے حملے سے بھی بچاتا ہے اور گناہوں سے بھی باز رکھتا ہے اور قیامت کے دن (دوزخ کی آگ سے بھی بچائے گا) پس جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ تو ناشائستہ بات کرے، نہ شور مچائے۔ پس اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے، لڑائی، جھگڑا کرے تو (دل میں کہے یا زبان سے اس کو) کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں (اس لئے تجھ کو جواب نہیں دے سکتا کہ روزہ اس سے مانع ہے)۔"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ)

"حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو پھاڑے نہیں۔"

(نسائی، ابن خزیمہ، بیہقی)

ایک روایت میں ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول ﷺ یہ ڈھال کس چیز سے پھٹ سکتی ہے۔ فرمایا جھوٹ اور غیبت سے۔

(طبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرہ)

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کا روزہ رکھا اور اس کے حدود کو پہچانا اور جن

چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے ان سے پرہیز کیا تو یہ روزہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگا۔'' (صحیح ابن حبان، بیہقی، ترغیب)

دوعورتوں کے روزوں کا واقعہ

''حضرت عبید ؓ (رسول اللہ ﷺ کے آزادہ کردہ غلام) کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ دوعورتوں نے روزہ رکھا ہوا ہے اور وہ پیاس کی شدت سے مرنے کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے سکوت اور اعراض فرمایا اس نے دوبارہ عرض کیا غالباً دوپہر کا وقت تھا کہ یا رسول اللہ! بخدا وہ تو مر چکی ہوں گی یا مرنے کے قریب ہوں گی۔ آپ نے ان دونوں کو بلوایا جب وہ آگئیں تو آپ ﷺ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا اور ایک سے فرمایا کہ اس میں قے کرے۔ اس نے خون، پیپ اور تازہ گوشت وغیرہ کی قے کی۔ جس سے آدھا پیالہ بھر گیا۔ پھر دوسری کو قے کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کی قے میں بھی خون، پیپ اور گوشت نکلا۔ جس سے پیالہ بھر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے تو روزہ رکھا اور حرام کی ہوئی چیز سے روزہ خراب کرلیا کہ ایک دوسری کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھانے لگیں (یعنی غیبت کرنے لگیں)۔''

(احمد، ابن ابی الدنیا، رواہ ابوداؤد والطیالسی وابن ابی الدنیا فی ذم الغیبت وبیہقی عن انس)

روزہ کے فوائد

کسی بھی عبادت اور کسی بھی عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور پروردگار کی رحمت کاملہ اس عمل اور عبادت کے کرنے والے کو دین و دنیا دونوں جگہ اپنی آغوش میں چھپالے ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے روزہ کا فائدہ بھی بڑا عظیم الشان ہوگا مگر اس کے علاوہ روزے کے کچھ اور بھی روحانی اور دینی فوائد ہیں جن کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر کچھ فوائد بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) روزہ کی وجہ سے قلبی سکون حاصل ہوتا ہے' نفس امارہ کی تیزی ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے جن اعضاء کا تعلق براہ راست نیکی اور بدی سے ہے (جیسے ہاتھ' آنکھ' زبان' کان اور ستر وغیرہ) سست ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے گناہ کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور معصیت کی طرف رجحان ہلکا پڑ جاتا ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

> "جب نفس بھوکا ہوتا ہے تو تمام اعضاء سیر ہوتے ہیں یعنی انہیں اپنے کام کی رغبت نہیں ہوتی اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں انہیں اپنے کام کی رغبت ہوتی ہے۔"

اس کی وضاحت یوں سمجھ لیجئے کہ جسم کے جتنے اعضا ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے مخصوص کاموں کے لئے پیدا کیا ہے مثلاً آنکھ کو لیجئے۔ اس کو دیکھنے کے لئے پیدا کیا

گیا گویا آنکھ کا کام دیکھنا ہے' لہٰذا بھوک کی حالت میں آنکھ کسی بھی چیز کو دیکھنے کی طرف راغب نہیں ہوتی۔ ہاں! جب پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام بڑی رغبت کے ساتھ کرتی ہے اور وہ جائز و ناجائز چیز کو دیکھنے کی خواہش کرتی ہے۔

(۲) روزہ کی وجہ سے دل کدورتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے کیونکہ دل کی کدورتیں آنکھ، زبان اور دوسرے اعضاء کے فضول کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی زبان کا ضرورت سے زیادہ کلام کرنا آنکھوں کا بلاضرورت دیکھنا اسی طرح دوسرے اعضاء کا ضرورت سے زیادہ اپنے کام میں مشغول رہنا افسردگی دل اور رنجش قلب کا باعث ہے۔ ظاہر ہے روزہ دار فضول گوئی اور فضول کام سے بچا رہتا ہے اسی وجہ سے اس کا دل صاف اور مطمئن رہتا ہے۔

اس طرح پاکیزگی دل اور اطمینان قلب اچھے اور نیک کاموں کی طرف میلان اور رغبت اور درجات عالیہ کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۳) روزہ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک اور رحم وکرم کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی وقت بھوک کا غم جھیل چکا ہوتا ہے چنانچہ وہ جب کسی شخص کو بھوکا دیکھتا ہے تو اسے خود اپنی بھوک کی حالت یاد آتی ہے جس کی وجہ سے اس میں رحم و کرم کا جذبہ ابھرتا ہے۔

(۴) روزہ دار اپنے روزہ کی حالت میں گویا فقراء، مساکین کی حالت بھوک کی مطابقت کرتا ہے کہ جس اذیت اور تکلیف میں وہ مبتلا ہوتے ہیں اسی تکلیف اور مشقت کو روزہ دار بھی برداشت کرتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ (مظاہر حق جدید' ص۔۲۹۴)'

رمضان کا روزہ نہ رکھنے کا نقصان

عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من افطریوما من رمضان من غیر رخصة ولا مرض لم یقض عنه صوم الدهر کلمه وان صامه .(مشکوٰة ص ۱۷۷)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بغیر عذر اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو خواہ ساری عمر روزہ رکھتا رہے وہ اس کی تلافی نہیں کرسکتا (یعنی دوسرے وقت میں روزہ رکھنے سے اگرچہ فرض ادا ہوجائے گا مگر رمضان المبارک کی برکت وفضیلت کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔'' (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بخاری)

تراویح سنت مؤکدہ ہے

چوتھی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

و قیام لیله تطوعا.

اس خطبے میں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑے ہونے یعنی تراویح پڑھنے کو نفل عبادت قرار دیا ہے۔ نفل' دینی اصطلاحات کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کو سنت مؤکدہ سنت غیر مؤکدہ اور نفل نماز پر بھی بول دیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں نفل سے سنت مؤکدہ مراد ہے کیونکہ

تراویح ہر عاقل، بالغ مسلمان مرد و عورت کے لئے خواہ وہ امیر ہو یا غریب شہری ہو یا دیہاتی، تاجر ہو یا ملازم از روئے شرع سنت مؤکدہ ہے اور مردوں کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ تراویح کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض فرمایا ہے اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح اور تلاوت قرآن پاک کیلئے) تمہارے واسطے (اللہ کے حکم سے) سنت بنایا (کہ موکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان اور ثواب کی امید سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائیگا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا، یعنی اسکے سارے گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جائیں گے۔ (نسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور ایسے ہی جو لوگ ایمان واحتساب رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح وتہجد) پڑھیں گے ان کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سارے پہلے کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

تراویح پڑھنا اللہ کے قرب کا سبب ہے

تراویح پڑھنا اللہ تعالیٰ سے قربت کا سبب ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجے بڑھتے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور جس سے بات کریں جس کی بات سنیں اس سے محبت اور تعلق پیدا ہوتا ہے۔قرآن، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کو سنے اور جو اس کو پڑھے گا اور جو اس کے ساتھ رہے گا تو یقیناً اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہوگی۔

مسئلہ:۔تراویح کی نماز میں امام کا بالغ ہونا ضروری ہے۔نابالغ حافظ خواہ قریب البلوغ ہو وہ بالغ مردوں کی امامت نہیں کراسکتا اور اس کو امام بنانا جائز نہیں۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔داڑھی مونڈنے یا کتروانے والے حافظ کو تراویح کی نماز میں امام بنانا جائز نہیں ہے۔اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اس کو امام بنانے والے گنہگار ہیں (شامی) جبکہ آجکل اس میں بڑی غفلت ہورہی ہے۔

مسئلہ:۔اجرت دے کر تراویح پڑھوانا جیسا کہ رائج الوقت ہے کہ معروف یا مشروط طور پر ضرور کچھ نہ کچھ دینا طے ہوتا ہے بالکل حرام ہے اگر بلا اجرت اخلاص سے پڑھنے والا حافظ نہ ملے تو الم ترکیف سے تراویح ادا کریں۔ (شامی وامداد الفتاوی)

مسئلہ:۔اگر کسی مجبوری یا بیماری کی بناء پر تراویح نہ پڑھ سکے اور رات گزر جائے تو تراویح کی قضاء واجب نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ:۔تراویح رمضان المبارک کے پورے ماہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔(شامی) بعض لوگ قرآن کریم ختم ہونے پر تراویح بھی چھوڑ دیتے ہیں یہ غلط ہے۔

(ماخوذ ماہ رمضان کے فضائل اور فرائض:ص/۶،۷،۸)

رمضان میں عبادات نافلہ کا ثواب

پانچویں بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

من تقرب فيه بخصلة كان كمن ادى فريضة فيما سواه.

''یعنی جو کوئی اس مہینے میں نفلی نیکی کرے گا تو اس کا درجہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر ہے۔''

نفل اور فرض کے اندر بہت بڑا فرق ہے۔ اگر آدمی اس مہینے میں ایک رکعت نفل پڑھتا ہے تو ایک فرض کے برابر ہے۔ فرض اور نفل میں تناسب یہ ہے کہ فرض نفل سے ستر گناہ زیادہ ہے۔ یعنی ستر (۷۰) نفل پڑھے تو ایک فرض کے برابر۔

ومن ادى فيه فريضة كان كمن ادى سبعين فريضة فيما سواه.

''یعنی کوئی اس مہینے میں ایک فرض ادا کرے تو ایسا ہے کہ گویا اس نے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے۔''

اس خطبے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''اس مبارک مہینے میں جو شخص کسی قسم کی نفلی عبادت کرے گا' اس کا ثواب دوسرے زمانے کی فرض نیکی کے برابر ملے گا۔''

یوں سمجھ لیجئے کہ ''شب قدر'' کی خصوصیت تو رمضان المبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے لیکن نیکی کا ثواب ستر گناہ ملنا یہ رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر

رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حقیقتوں کو سمجھنے کی اور ان سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

رمضان کا آخری عشرہ

عن عائشہؓ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یجتهدفیالعشر الاواخرمالایتجهد فی غیره.

(معارف الحدیث)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں ایسی عبادت ومحنت کرتے تھے جو دوسرے اوقات میں نہیں ہوتی تھی۔“ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

عن عائشہؓ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذادخل العشرشدامیزره واحیی لیله والیقظ اهله .

(معارف الحدیث)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آنحضرت ﷺ شب بیدار رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی بیدار رکھتے۔“ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ)

اعتکاف آخری عشرہ کی اہم عبادت

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی ایک اہم عبادت اعتکاف ہے اعتکاف کرنے والے کا ہر ہر لمحہ عبادت اور نیکی میں لکھا جاتا ہے، اس کو ہر وقت وہی

ثواب ملتا ہے جو نمازی کو نماز میں ملتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز کے انتظار میں نماز کا ہی ثواب ملتا ہے تو معتکف گویا نماز کے انتظار میں مسجد میں ہے اسلئے اس کا ہر لمحہ عبادت ہے۔

اعتکاف کی اہمیت وفضیلت کیلئے یہی کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اعتکاف کی سنت چلی آرہی ہے۔

اعتکاف دو حج، دو عمرے کا ثواب

عن حسینؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اعتکف عشرفی رمضان کاکحجتین وعمرتین (الترغیب والترہیب)

''حضرت حسینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان میں آخری دس دن کا اعتکاف کیا اس کو دو حج اور دو عمرے کا ثواب ہوگا۔'' (ترمذی، ترغیب)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر ایک دن کا بھی اعتکاف کیا، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایسی تین خندقیں بنادیں گے کہ ہر خندق کا فاصلہ مشرق ومغرب سے زیادہ ہوگا۔'' (طبرانی اوسط، بیہقی)

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے

چھٹی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنّة.

اور یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ ایک صبر تو بالکل ظاہر ہے کہ کھانا پینا اور خواہشات کی تکمیل سے روزہ دار کو دن بھر صبر کرنا پڑتا ہے، پیاس لگی ہے صبر سے کام لیتا ہے، بھوک لگی ہے صبر سے کام لیتا ہے۔

صبر کے معنیٰ

اصل صبر کے معنیٰ آتے ہیں روکنے اور باندھنے کے صبر میں انسان اپنے نفس کو روک کر اور باندھ کر رکھتا ہے یعنی اپنی خواہشات کو ختم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلتا ہے اور بھی صبر کے بہت سے مواقع ہیں۔ بھوک لگی ہوتی ہے اس سے اکثر لوگوں کو غصہ آتا ہے اس پر صبر کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ روزہ رکھ لینے سے خونخوار درندے بن جائیں کہ جیسے لوگوں کو خوف ہو کہ دیکھو بھائی شیر آ رہا ہے بچو ورنہ پھاڑ دے گا۔ تو روزہ رکھ کر کے ایسے درندے نہ بن جائیں اور یہ بھی کہتے نہ پھریں کہ دیکھو میرا روزہ ہے بات زیادہ مت کرو۔ روزہ میں غصہ بہت آتا ہے، روزہ میں تو غصہ نہیں آنا چاہئے۔

مسئلہ یہی ہے بلکہ لوگ کہتے بھی ہیں کہ اس کو روزہ لگ رہا ہے جب غصہ کرے جھگڑا کرے مار پٹائی کرے تو کہتے ہیں اس کو روزہ لگ رہا ہے حالانکہ روزہ لگنا اصل یہ ہے کہ غصہ نہ آئے گالی گلوچ لڑائی جھگڑا نہ ہو صبر و تحمل پیدا ہو جائے اس

لئے کہ روزہ کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے نفس کو اور اپنی خواہشات کو روکے۔
اور صبر کا بدلہ جنت ہے اس سے بڑھ کر اور کیا چیز چاہئے......؟

اور یہ غم خواری کا مہینہ ہے

ساتویں بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

وشهر المو اساة.

اور یہ مہینہ غمخواری اور ہمدردی کا ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کی جائے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔

روزہ دار کو افطار کروانے کی فضیلت

آٹھویں بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

من افطر فيه صائمًا كان مغفرة لذنوبه و عتق رقبته من النار.

"یعنی جو کوئی کسی روزے دار کو افطار کروائے تو یہ اس کے لئے مغفرت اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا۔"

کہاں اس کی طرف خیال ہوتا ہے؟ ہم لوگوں کو بالکل اس کا احساس اور خیال نہیں کتنی چیز اپنے گھر میں پکاتے اور کھاتے ہیں اور کتنے غریب ایسے ہوتے ہیں ان کو افطار کے لئے سامان مہیا نہیں ہوتا اگر واقعی مواساۃ اور ہمدردی ہو اس بات کا خیال ہو کہ افطار کرانے سے ثواب ملے گا اور یہ جہنم سے خلاصی کا ذریعہ ہے۔ ہماری گردن چھوٹ جائے گی۔ جہاں اپنے لئے سامان کرتے ہیں وہاں کچھ اور بھی

کرلیں لیکن روزہ رکھنے والے جو لوگ، مسجد میں رہتے ہیں ان کے بارے میں خیال یہ ہے کہ یہ لوگ تو صرف جمعہ جمعہ کھاتے ہیں بس جمعرات کے دن جو کچھ چاہا بھیج دیا باقی دن تو روزہ ہی روزہ ہے۔ آٹھ دن تک نہ کھائیں گے' نہ پئیں گے۔ جب بھی بھیجنا ہوگا جمعرات کو بھیجیں گے۔ بس آٹھ دن کے بعد پھر ملے گا۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ افطار کروانے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا۔ جتنا ثواب روزہ دار کے لئے ہے اتنا ہی ثواب روزہ افطار کروانے والے کے لئے بھی ہے مگر اس کے ساتھ اتنی بات اور بھی ہے کہ روزہ رکھنے والے کے اجر سے کچھ کم کر کے نہیں دیا جائے گا۔ افطار کروانے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے پورا ثواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بے حد وسیع ہے ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا۔ اس کے حساب و کتاب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

قالوا یارسول اللہ لیس یجد کلنا ما یفطر الصائم.

جب یہ فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنی کہ افطار کروانے کی اتنی فضیلت ہے تو کہنے لگے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے ہر ایک میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ روزہ دار کو افطار کرا سکے' اتنا سامان تو نہیں کہ ہم کسی کو کھلا پلا سکیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر و فاقہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو فقر و فاقہ کے دن گزرے ہیں جو مشکلات ان کو پیش آئی ہیں اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ کہتے ہیں بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر مسجد شریف میں گر جاتا تھا تو لوگ آتے

میری گردن پر پیر رکھتے اس خیال سے کہ یہ مرگی کا دورہ ہے حالانکہ وہ مرگی کا دورہ نہیں تھا بلکہ بھوک کی شدت سے ہمارے اوپر یہ حالت طاری ہوتی تھی۔

اصحابِ صفہ کی حالت

اصحابہ صفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کہتے ہیں کہ:

"کئی کئی وقت فاقے کی وجہ سے ہم لوگ نماز میں سہار لیکر کھڑے ہوتے اور کبھی بے ہوش ہوکر نماز کے اندر ہی گرجاتے جو بدوی لوگ مسجد نبوی ﷺ میں آئے ہوتے وہ ہمیں دیکھ کر کہتے:

هآؤلاء مجانين.

یہ مجنون پاگل ہیں، نماز میں گر جاتے ہیں یا جو بھی کیفیت ان پر ہوتی ہے بے ہوشی کی تو لوگ ان کو مجنون پاگل کہا کرتے تھے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی بلکہ کئی کئی وقت فاقہ کی وجہ سے ان پر یہ حالت طاری ہوتی تھی تو صحابہ ﷺ نے جب یہ فضیلت سنی تو خود تنگی کی وجہ سے ان کے اپنے کھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو دوسروں کو کیا افطار کرائیں گے یہ سوال کیا تھا۔

تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ ثواب اس شخص کو بھی دیتا ہے جو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی پلا کر افطار کرائے یا ایک گھونٹ دودھ پلادے یا لسی دے دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر بھی یہ ثواب دیتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ تمام چیزیں کھلائیں بلکہ دستر خوان بچھایا اس پر ایک چیز رکھ دی اس کو بھی یہ ثواب مل جائے گا، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اگر کوئی شخص افطار کے لئے کوئی چیز لے آئے تو اس کو قبول کر لے اور اس سے افطار کر لے اس لئے کہ افطار

کرانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب مل جائے گا جتنا کہ روزہ دار کو ملا ہے۔

ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا بغیر کسی سبب کے دوسرے کے سامان سے افطار کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ بات تو سمجھ گئے ہوں گے کہ کس سبب سے دوسروں کے مال سے افطار کرنے سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔

مال حرام کی افطاری سے پرہیز

اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ افطار مشکوک ہے یا حرام ہے یا کوئی اور خرابی ایسی معلوم ہو جائے جو شریعت کے خلاف ہے پھر تو واقعی اس کو رد کر دینا چاہئے اس میں ہاتھ نہیں لگانا چاہئے لیکن اگر اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے تو اچھی بات یہی ہے کہ دوسرے کے مال سے بھی افطار کرلے تا کہ اس کو بھی ثواب مل جائے ہم کو بھی مل جائے لیکن لوگ اس بات کا لحاظ کم کرتے ہیں اول تو کھلانے والے بھی کم کرتے ہیں کہ پاک اور حلال مال کھلائیں اور کھانے والے بھی اس بات کو نہیں سمجھتے کہ کیا کھلا رہا ہے۔ کھلانے والے کو خیال ہی نہیں کوئی حرام چیز کھلا دیں گے تو خواہ مخواہی میں اس کا روزہ برباد کر دیں گے اور ثواب سے محروم کر دیں گے اور ہم کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

”حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزہ دار کو روزہ افطار کرایا یا کسی غازی کو سامان

جہاد دیا اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا۔" (بیہقی، شعب الایمان، مشکوۃ)

غروب کے بعد افطار میں جلدی کرنا

"حضرت سہیل بن سعد ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک (مغرب کے بعد) افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔" (بخاری و مسلم، مشکوۃ)

"حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین بحال رہے گا جب تک کہ لوگ افطار میں جلدی کرتے ہیں، کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر کرتے ہیں۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ)

"حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو افطار میں جلدی کرتے ہیں۔" (ترمذی، مشکوۃ)

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے

"حضرت سلمان بن عامر ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص روزہ افطار کرے تو کھجور سے افطار کرے کیونکہ وہ برکت ہے، اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے۔"

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز (مغرب) سے پہلے روزہ افطار کرتے، تازہ کھجوروں سے اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتی تو خشک خرما کے چند دانوں سے، اگر وہ بھی میسر نہ آتے تو چند گھونٹ پانی کے پی لیتے۔'' (ابوداؤد، ترمذی، مشکوۃ)

افطار کی دعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو فرماتے:

ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء الله.

''پیاس جاتی رہی، انتڑیاں تر ہوگئیں اور اجر انشاء اللہ ثابت ہوگیا۔''

حضرت معاذ بن زہرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزہ افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ.

(ابوداؤد، مشکوۃ)

''اے اللہ! میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔''

افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے

''حضرت عمر بن خطابؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا بخشا جاتا ہے اور اس

مہینے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا بے مراد نہیں ہوتا۔"

(طبرانی، اوسط، بیہقی، اصبہانی، ترغیب)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزے دار کی، یہاں تک کہ افطار کرے۔ حاکم عادل کی اور مظلوم کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت کی قسم میں ضرور تیری مدد کروں گا، خواہ کچھ مدت کے بعد کروں۔"

(احمد، ترمذی، ابن حبان، مشکوٰۃ، ترغیب)

"ایک روایت میں ہے تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق ہے کہ ان کی دعا رد نہ فرمائے۔ (۱) روزے دار یہاں تک کہ افطار کرے، (۲) مظلوم کی یہاں تک کہ بدلہ لے لے۔ (۳) مسافر یہاں تک کہ سفر سے لوٹ آئے۔" (بزار، ترغیب)

عبداللہ بن ابی ملکہ حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے دار کی دعا افطار کے وقت رد نہیں ہوتی اور حضرت عبداللہ افطار کے وقت یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ.

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں، آپ کی اس رحمت کے طفیل جو ہر چیز پر حاوی ہے، کہ میری بخشش فرما دیجئے۔" (بیہقی، ترغیب)

سحری کھانا باعثِ برکت ہے

''حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سحری کھالیا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ)

''حضرت عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے (کہ اہل کتاب کو سو جانے کے بعد کھانا پینا ممنوع تھا) اور ہمیں صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک اس کی اجازت ہے۔'' (مسلم، مشکوٰۃ)

''ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔'' (الترغیب)

فائدہ:

ان تینوں احادیث مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہر روزہ دار کو چاہیے کہ وہ سحری کے وقت اگر بھوک نہ بھی ہو تب بھی اتنے بڑے انعام و فضیلت سے محروم نہ رہے صرف ایک کھجور کھالیں، یا چند گھونٹ پانی پی لیں، انشاء اللہ سحری کی فضیلت حاصل ہو جائیگی، اور ثواب سے محروم نہ رہیں گے۔

مسئلہ...... نصف شب کے بعد جس وقت بھی سحری کھائیں سنت ادا ہو جائیگی لیکن بالکل آخری شب میں کھانا سنت ہے اور افضل ہے۔ لیکن اتنی تاخیر بھی نہ کریں کہ

روزہ مشتبہ ہو جائے اور اس میں شک ہونے لگے۔

ماہ مبارک کے تین حصے

نویں بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

وھو شھر اولہ رحمۃ و اوسطہ مغفرۃ و آخرہ عتق من النار.

اس خطبے میں یہ بھی فرمایا گیا کہ رمضان المبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے۔

حضرات محدثین نے حدیث کے اس حصے کے کئی معنی لکھے ہیں لیکن جو بات سب سے زیادہ دل کو لگتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جو لوگ طاعت و فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے اوپر ہر حال میں ہے تو ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا غلبہ ابتدا ہی سے ہو جاتا ہے۔ یعنی پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں تھے۔ پھر اس خصوصی رحمت میں داخل ہو گئے۔

(۲) جو لوگ کچھ نیکی بھی کرتے ہیں اور کچھ گناہ بھی تو جب وہ دس روزے رکھ لیتے ہیں اور ان گناہوں سے توبہ استغفار کر کے پاکی حاصل کر لیتے ہیں تو اس کے نتیجے میں دوسرے عشرے کے اندر ان کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(۳) جو بہت زیادہ گناہگار ہیں اگر وہ رمضان المبارک کا مہینہ پائیں اس کے بعد محنت اور مشقت اٹھائیں، اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کریں تو آخری عشرے میں

ان کو بھی چھٹکارا مل جاتا ہے۔ جاؤ تم بھی آزاد ہو یہ جب ہی ہے کہ جب اور کوئی کام گناہ کا نہ کرے۔

نوکر و ملازم کا بوجھ ہلکا کرنے کی فضیلت

دسویں بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

من خفف عن مملوکه غفر الله له.

یعنی جو کوئی شخص اپنے غلام کا، ملازم کا اور اپنے ساتھ کام کرنے والے کا بوجھ ہلکا کردے، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے اور اس کو جہنم سے نجات دیں گے، اس لئے کہ روزہ رکھ کر زیادہ مشقت اٹھانے میں دشواری ہوتی ہے۔ کام کرانے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو کہ سارا بار اس پر ڈال دے اور اس سے زیادہ ظلم والی شکل یہ ہے کہ خود بے روزہ رہے اور ملازم جو روزہ دار ہے اس سے ظلماً زیادہ کام لیتا رہے، یہ انتہائی شقاوت کی بات ہے خود تو روزہ خور ہے اور جو روزہ دار ہے اس کو مشقت میں ڈال رہے ہیں یہ جو کچھ فرمایا یہ سب باتیں سننے سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔

اس مہینے میں چار کام خصوصیت سے کرنے کے ہیں

جناب نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ :

> ''اس مہینے میں چار کام خصوصیت سے کرنے کے ہیں اور بہت کثرت کے ساتھ کرنے کے ہیں۔ فرمایا' واستکثروا یعنی بہت کثرت سے ان کاموں کو کرو۔ دو کام ایسے ہیں کہ ان سے تم

اپنے رب کو راضی کرو اور دو کام ایسے ہیں کہ ان سے تمہارے
لئے کوئی چارہ نہیں، ان کے کرنے پر تم مجبور ہو، لازمی ہے
تمہارے لئے کرنا۔"

پہلے دو کام کثرت سے کرنے کے یہ ہیں

(۱) لا الہ الا اللہ کی کثرت۔ اس کو کثرت سے پڑھو اس لئے کہ لا الہ الا اللہ یہ ایمان کی بنیاد ہے اور ایمان کو تازہ کرنے والی چیز ہے۔ جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ اپنے ایمان کو تازہ کرو لا الہ الا اللہ کے ذریعے سے اور ارشاد فرمایا افضل الذکر لا الہ الا اللہ تمام ذکروں میں افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔ معنی تو ہم کئی مرتبہ عرض کر چکے ہیں۔ بس اتنی بات سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی سب کچھ ہے اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، کسی کو کوئی اختیار نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معبودیت، اس کی محبوبیت، ان ساری چیزوں کا تصور کر کے کہیں کہ اس کے جیسا کوئی معبود نہیں، تو ایک بات تو یہ فرمائی کہ رمضان المبارک میں کثرت سے لا الہ الا اللہ پڑھو۔

(۲) اور دوسری بات یہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے رہو۔ حقیقت یہی ہے کہ کچھ نہ کچھ تو ہر ایک سے گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ انسان مرکب ہے خطا و نسیان سے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔

حضور ﷺ کا معصوم ہونے کے باوجود استغفار فرمانا

حضور ﷺ معصوم ہیں' اس کے باوجود امت کی تعلیم کے لئے فرماتے ہیں کہ:

"میں ایک مجلس میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ اللہ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔"

حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔ ہمارے جیسے لوگ جو صبح سے شام تک نہ جانے کتنے گناہ کرڈالتے ہیں ان کو تو ہر وقت اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلانا چاہئے۔

خاص طور پر رمضان المبارک کا مہینہ' اللہ کا ایک عظیم احسان ہے اس امت کے اوپر تو اس کی قدر کرنی چاہئے کہ گناہوں کی معافی مانگتے رہیں:

استغفر اللہ' استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیک' استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھوا الحی القیوم و اتوب الیک اللھم اغفرلی و ارحمنی و عافنی

اس طرح سے اور بھی استغفار کے کلمات ہیں ضروری نہیں کہ عربی کے ہی کلمے یاد ہوں اگر کسی کو عربی کلمے یاد نہ ہوں تو اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا رہے کہ:

"اے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بخش دے' ہم پر رحم فرمادے اور مغفرت فرمادے اور اپنے گناہوں کا تصور کر کے کہ ہم واقعی گناہ گار اور خطا کار ہیں۔"

استغفار میں دین و دنیا دونوں کا نفع ہے

استغفار میں دین و دنیا دونوں کا نفع ہے۔ یہاں معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ نامہ اعمال

سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

واستغفروا ربكم ثم توبوا اليه. (هود: ۹۰)

" اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور اس کی طرف رجوع کرو۔"

يمددكم باموال و بنين. (نوح: ۱۲)

تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے مال سے اور اولاد سے اور اللہ تعالیٰ تمہیں قوت نصیب فرمائیں گے تو استغفار کے بہت سے فائدے ہیں، دینی اور دنیوی دونوں ہیں تو فرمایا یہ دونوں چیزیں تو لازمی ہیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو۔

آخری دو کام یہ ہیں، جنت کا سوال، دوزخ سے پناہ

واما الخصلتان اللتان لاغنا بكم عنهما.

"یعنی اور دو باتیں ایسی ہیں جن سے تمہیں کوئی چارہ نہیں، لازمی ہیں، وہ یہ ہیں۔

فتسئلون الله الجنه و تعوذون به النار.

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے رہو۔

(۲) اور جہنم سے پناہ مانگتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بار بار یہ دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ جنت الفردوس نصیب فرما دے۔

اور اللہ تعالیٰ سے برابر دوزخ سے پناہ مانگتے رہیں۔

اللهم اجرنا من النار.

یہ مختصر سی دعا ہے اور اگر یہ یاد ہو تو پوری دعا یہ مانگیں:

اللھم اجرنا من النار و ادخلنا عندک جنۃ النعیم

بغیر حساب.

یہ پڑھتے رہیں کثرت سے۔ بہر حال (۱) کلمہ طیبہ کی کثرت اور (۲) اپنے گناہوں سے استغفار (۳) اللہ رب العزت سے جنت کا سوال (۴) جہنم سے پناہ۔ یہ معمول ہونا چاہئے۔

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے معمولاتِ رمضان

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کے مجاہدات میں یہ لکھا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کی ریاضت و مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھایا کرتے تھے، چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جب کہ آپ ستر (۷۰) سال کی عمر سے متجاوز ہو گئے تھے۔ مگر کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور مغرب کے بعد بیس (۲۰) رکعت صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے۔ جس میں تقریباً دو پارے قرآن مجید سے کم کی تلاوت نہ ہوتی تھی، پھر اس کے ساتھ رکوع سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والوں کو سہو کا گمان ہونے لگتا، نماز سے فارغ ہو کر نماز تک جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھہرنے کی مدت میں کئی پارے کلام پاک کے ختم کرتے تھے، پھر تھوڑی دیر بعد نمازِ عشاء اور صلوٰۃ التراویح جس میں گھنٹہ سوا گھنٹہ سے کم خرچ نہ ہوتا تھا۔

تراویح سے فارغ ہو کر ساڑھے دس گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی

بجے ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور پھر ڈھائی تین گھنٹے تک تہجد میں مشغول رہتے، بعض مرتبہ سحری کھانے کے لئے کسی خادم کو پانچ بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کو نماز ہی میں مشغول پایا، نمازِ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف و اوراد اور مراقبہ میں مصروف رہتے، پھر اشراق پڑھتے اور کچھ دیر استراحت فرماتے، اتنے میں ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاویٰ لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے، ظہر کے بعد حجرۂ شریف بند ہو جاتا اور تا عصر کلام پاک کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے، باوجودیکہ اس رمضان میں جس کا مجاہدہ لکھا گیا ہے پیرانہ سالی اور نقاہت کے ساتھ وجع الورک (یہ ایک شدید درد کا نام ہے) کی تکلیفِ شدید کا یہ حال تھا کہ استنجا گاہ سے حجرہ تک تشریف لانے میں حالانکہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آتی تھی اس حالت میں فرائض تو فرائض نوافل بھی کبھی بیٹھ کر نہیں پڑھے اور پھر ان نوافل میں گھنٹوں کھڑا رہنا، بارہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھ کر ادا فرمالیں تو مناسب ہوگا مگر جب بھی آپ کا جواب یہی تھا۔

"نہیں جی یہ کم ہمتی کی بات ہے۔"

حضرت شیخ الہندؒ کے معمولاتِ رمضان

حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ سوانح شیخ الہندؒ میں تحریر فرماتے ہیں رمضان المبارک میں مولانا کی خاص حالت ہوتی تھی اور دن رات عباداتِ خداوندی کے سوا کوئی کام ہی نہ ہوتا۔ دن کو لیٹتے اور آرام فرماتے

لیکن رات کا اکثر حصہ بلکہ تمام رات کلامِ مجید سننے میں گذار دیتے کیونکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ خود حافظ نہیں تھے کئی کئی حافظوں کو سنانے پر مقرر رکھتے اگر وہ باہر کے رہنے والے خادم و شاگرد ہوتے تو ان کے قیام و طعام کا اہتمام فرماتے اور تمام مصارف برداشت فرماتے، تراویح سے فارغ ہو کر بہت دیر تک حاضرین کو مضامین علمیہ اور حکایاتِ اکابر سے محظوظ فرماتے اور پھر اگر موقعہ ملتا تو چند منٹ کے لئے لیٹ جاتے، اس کے بعد نوافل کا سلسلہ شروع ہوتا ایک حافظ دو چار پارے سنا کر فارغ ہو کر آرام کرتا مگر حضرت اسی طرح مستعد رہتے اور دوسرا حافظ شروع کر دیتا، اسی طرح متعدد حافظ باری باری سے کئی کئی پارے سناتے قاری بدلتے رہتے تھے مگر مولانا کبھی دو تین بجے تک اور کبھی بالکل سحر کے وقت تک کھڑے سنتے رہتے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے معمولاتِ رمضان

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

حضرت کا یہ معمول تھا کہ تہجد کے وقت بہت دیر تک یعنی جب تک فجر کی اذان نہیں ہوتی اس وقت تک استغفار کرتے رہتے۔ استغفار کی کیفیت یہ ہوتی کہ تھوکنے کا اگلدان پاس رکھ لیتے استغفار کرتے جا رہے ہیں۔ زار و قطار روتے جا رہے ہیں، ناک بھی صاف کرتے جا رہے ہیں، آنسو بھی پونچھے جا رہے ہیں۔ جب تک اذان نہیں ہوتی بس یہی کیفیت ان پر طاری رہتی۔ اللہ سے توبہ کرتے

رہتے حالانکہ اولیاء اللہ میں سے مشہور عالم مشہور محدث، مشہور مفسر، لیکن یہ کیفیت روز کی تھی کہ تہجد کے وقت تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر گھنٹوں استغفار کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے معمولاتِ رمضان

معمولاتِ اشرفیہ میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں حضرت والا اکثر خود قرآن شریف سناتے اور بلا مانع کبھی قرآن پاک سنانا نہیں چھوڑتے۔

نصف قرآن تک سوا پارہ پھر ایک پارہ روز پڑھتے، ستائیسویں شب کو اکثر ختم کرتے۔ ترتیل وہی رہتی ہے جو عام طور پر نماز پڑھانے میں ہوتی ہے۔ اگر کبھی جلدی پڑھنا بھی ہوتا ہے تو حرفوں کا تناسب وہی رہتا ہے جو آہستہ پڑھنے میں ہوتا ہے۔ اوقاف ولہجہ کی رعایت جیسی حضرت والا کے پڑھنے میں ہوتی ہے کہیں کم پائی جاسکتی ہے یاد اتنا اچھا کہ متشابہ شاذ و نادر ہی کہیں لگتا۔

قرآن شریف سے طبعاً حضرت والا کو ایسی مناسبت کہ گویا از اول تا آخر نظر کے سامنے ہے۔ کوئی لفظ یا کوئی آیت پوچھی جائے کہ کہاں آئی ہے تو فی البدیہ جواب دیتے، تراویح نہایت اطمینان کے ساتھ پڑھتے اور ترویحات کے درمیان اذکارِ مسنونہ ادا فرماتے، تہجد کے وقت بھی قرأت اکثر سری اور کبھی جہری کرتے، دوسری جگہ حضرتؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت اکثر نصف شب کے بعد تہجد کے لئے اٹھتے اور کبھی رات کے چھٹے حصے میں کبھی اس سے مقدم و مؤخر اکثر عادت آٹھ رکعت کی ہے کبھی کم زیادہ بھی ماہِ مبارک میں تہجد کی نماز پڑھتے تو محسوس ہوتا تھا

کہ ایک نور مثلِ صبح صادق اوپر کو اٹھتا اور سفید رنگ کے شعلے حضرت کے جسم سے بار بار اوپر کو اڑتے تھے۔ (معمولاتِ اشرفیہ)

اکابر کے حالات و معمولات حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہم اللہ نے اپنی کتاب ''اکابر کا رمضان'' میں تفصیل سے تحریر کئے ہیں، حضرت شیخ نے اس رسالہ میں ہمارے اسلاف کے رمضان وغیر رمضان کے معمولات نہایت تفصیل سے درج فرمائے ہیں یہاں اختصار سے چند اکابر کے بعض معمولات نمونہ کے طور پر ذکر کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے حضرت شیخ کا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کیجئے۔

ماحول کی ضرورت واہمیت

ہر کام کے لئے ایک ماحول اور فضا ہوتی ہے۔ اگر وہ ماحول اور فضا نہ ملے تو وہ کام نہیں ہوتا۔ تو طاعت اور بندگی کے لئے نیکی اور تقوٰی کے لئے مسجد کی جگہ سب سے اچھی ہے بہت سے شر سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ دیکھئے بازار میں جائے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک طرف بیٹھ کر کے دعا کی جائے۔ اللہ رب العزت کے سامنے آنسو بھی بہائیں، لوگ تماشہ بنائیں گے لیکن مسجد کے گوشے میں بیٹھ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں فریاد کریں توبہ واستغفار کریں تو کوئی نہ اس کو عیب سمجھے گا، نہ تماشہ بنائے گا، نہ لوگ بھیڑ لگائیں گے کہ اسکو کیا ہوگیا۔ اس لئے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ مسجد اسی کام کے لئے ہے۔

تو مسجد میں کثرت سے رہنا، پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھنا۔ اللہ رب العزت کی طرف رجوع ہونا، یہ سب اسی وقت ہے جبکہ صحیح ماحول ہو۔

اطاعت کیلئے سب سے بہتر ماحول مسجد کا ہے

اس کے لئے سب سے بہتر ماحول مسجد کا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آنے والا ہے' اس لئے اپنے کو ابھی سے تیار کیجئے اور اپنے دل میں ہمت اور حوصلہ پیدا کیجئے، جیسے کوئی اہم کام پیش آنے والا ہوتا ہے جیسے شادی ہے تو چھ مہینے پہلے تیاری ہونے لگتی ہے' سوٹ بننے لگتے ہیں' سامان خریدا جاتا ہے اور دعوت کا انتظام ہوتا ہے۔ سارے انتظامات شروع ہو جاتے ہیں حالانکہ ابھی شادی میں چار مہینے باقی ہیں تو یہ دنیا کے ایک دن کے کام کے لئے اتنا اہتمام اور جو مسئلہ آخرت کا ہے' دائمی زندگی کا ہے تو اس کی تیاری کے لئے اپنے کو ہر وقت تیار رکھیں کہ انشاء اللہ تلاوت کریں گے' اتنے نوافل پڑھیں گے۔ اتنا وقت مسجد میں گزاریں گے۔

رمضان المبارک میں کرنے کے کام (بطور خلاصہ)

رمضان المبارک اَبناءِ آخرت بننے کا مہینہ ہے، دنیاوی، کاروباری اور ملازمتی مصروفیات ختم کر کے زیادہ سے زیادہ ماہِ مبارک میں اسلامی زندگی اختیار کریں جس کے لئے درج ذیل امور کو اپنے اپنے حالات کے مطابق ترتیب دیکر اور ایک نظام الاوقات بنا کر پابندی سے انجام دیں۔

☆ صدقِ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور کثرت سے توبہ واستغفار کا اہتمام رکھیں۔

☆ روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کا پورا اہتمام کریں، بلا عذر شرعی ترک نہ کریں۔

☆ روزے میں آنکھ، کان، ناک، زبان، دل، دماغ اور تمام اعضاء کو ہر ہر گناہ سے

بے حد بچائیں۔

☆ نماز باجماعت کا مکمل اہتمام کریں۔

☆ اشراق، چاشت، اوابین، صلوٰۃ التسبیح، تحیۃ الوضوء اور تہجد کے نوافل کا معمول بنائیں۔

☆ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔ اس مقصد کے لئے اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ، تالیف حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحبؒ کا مطالعہ بہت کافی ہے۔

☆ تلاوتِ قرآن کریم کا جس قدر زیادہ ہو سکے، معمول بنائیں۔

☆ چلتے پھرتے لآ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ کا ورد رکھیں، کبھی کبھی پورا کلمہ پڑھ کر، پھر درود شریف پڑھ لیا کریں۔

☆ جنت الفردوس مانگیں اور عذاب دوزخ سے پناہ مانگیں، نیز ملک وملت کی صلاح وفلاح کی دعا کریں اور اس ناکارہ کے لئے بھی دعاء مغفرت اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرمادیں بڑا کرم ہوگا۔

اگر ماہِ مبارک ان باتوں کے التزام واہتمام کے ساتھ گذر گیا تو قوی امید ہے کہ انشاء اللہ ضرور دل کی حالت بدلے گی اور حالات میں تبدیلی آئے گی، زندگی میں انقلاب آئے گا، دنیا کی بے ثباتی، ناپائیداری وفنائیت محسوس ہوکر اس سے بے رغبتی دل میں پیدا ہوگی، فکرِ آخرت کا ذوق پیدا ہوگا، اس کرب انگیز زندگی میں سکون واطمینان محسوس ہوگا اور پھر سال کے دیگر مہینوں میں بھی اپنے آپ کو اسلامی زندگی سے قریب رکھنا سہل ہو جائے گا۔

روزہ کے ضروری احکام ومسائل

ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا

☆ کوئی دواء چکھی اور اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوا۔

☆ کان میں پانی پڑ گیا یا خود ڈالا یا تنکا لے کر کان کھجایا اور اسے میل لگ گئی اور اسی میل سمیت دوبارہ بار بار کان میں ڈالا۔

☆ دانتوں کے درمیان چنے سے کم مقدار کی کوئی چیز پھنسی رہ گئی اور دوران روزہ حلق میں چلی گئی۔

☆ دانتوں سے خون نکل کر حلق تک پہنچا اور پیٹ تک نہ پہنچا، یا پیٹ میں پہنچ گیا مگر تھوک اس پر غالب تھا۔

☆ ناک کی رطوبت سڑک کر حلق میں لے گیا اور وہ پیٹ میں اتر گئی یا منہ کی رال اور بلغم اسی طرح نگل گیا، خواہ یہ چیزیں اندر ہی اندر نگل لیں یا ناک اور منہ سے باہر نکل کر بہنے لگیں لیکن دھار ٹوٹنے نہ پائی تھی کہ نگل لیں۔

☆ گفتگو کرتے ہوئے ہونٹ لعاب سے تر ہو گئے اور اسے زبان سے چاٹ کر نگل لیا۔

☆ تل یا اس جیسی خفیف سی چیز منہ میں ڈال کر چبائی اور وہ غلطی سے حلق میں اتر گئی مگر اس کا مزہ محسوس نہ ہوا۔

صبح صادق سے پہلے پان کھا کر منہ اچھی طرح صاف کر لیا مگر صبح ہونے کے بعد بھی

پان کی سرخی تھوک میں دکھائی دیتی ہے تو تھوک نگلنے سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔
ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مکروہاتِ روزہ

بلا عذر کوئی چیز چکھنا یا چبانا

بلا عذر زبان سے کوئی چیز چکھنا یا منہ میں رکھ کر چبانا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے، اگر عذر سے چکھے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہے اور عورت کو ڈر ہے کہ اگر سالن میں نمک کم و بیش ہوگیا تو خاوند بگڑ جائے گا تو زبان سے چکھنے میں کراہت نہیں۔
اسی طرح عورت کا چھوٹے بچے کو بلا عذر کوئی چیز چبا کر کھلانا بھی مکروہ ہے، لیکن عذر سے کھلائے کہ بچہ کے لئے دوسری نرم غذا موجود نہ ہو، نہ ہی بغیر روزہ کے کوئی دوسرا آدمی موجود ہو جو بچے کو غذا چبا کر دے تو ایسی صورت میں کراہت نہیں، اسی طرح روزہ دار اگر کھانے کی چیز خریدتے وقت زبان سے چکھ لے تو کراہت نہیں، بشرطیکہ اس چیز کی طرف اسے سخت احتیاج ہو اور بغیر چکھے خریدنے میں نقصان کا اندیشہ ہو۔
ان تمام صورتوں میں کراہت کا حکم فرض و واجب روزہ سے متعلق ہے، نفلی روزہ ہو تو کراہت نہیں۔

قصداً تھوک جمع کر کے نگلنا

منہ میں قصداً تھوک جمع کر کے نگل جانا مکروہ ہے لیکن بلا قصد جمع ہو جائے تو نگلنا مکروہ نہیں۔

منجن یا پیسٹ کا استعمال

کوئلے، منجن اور ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کرنا اور عورتوں کا مسی یا دنداسہ لگانا مکروہ ہے، اگر ان کا کوئی جزء حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ (امداد الفتاویٰ:۲/۱۴۱، احسن الفتاویٰ:۴/۱۳۹)

بلاضرورت دانت نکلوانا

روزہ میں ڈاکٹر سے دانت یا ڈاڑھ نکلوانا اور اس جگہ دواء لگانا بوقتِ ضرورت شدیدہ جائز ہے اور بلاضرورت مکروہ ہے، اگر دواء یا خون پیٹ کے اندر جائے اور تھوک پر غالب ہوجائے یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (ردالمحتار مع الدر:۲/۳۹۶)

غیبت وغیرہ سے بچا جائے

غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان تراشی، بیہودہ گوئی، گالی گلوچ، ایذارسانی اور گناہ کے تمام کام یوں تو ہر وقت ہر حال میں حرام وناجائز ہیں مگر روزہ دار آدمی کے لئے ان کی حرمت وشناعت دوچند ہوجاتی ہے اور ان کے سبب روزہ سخت مکروہ ہوجاتا ہے بلکہ حدیث کے مطابق ان گناہوں کی نحوست سے روزہ کا اجر وثواب ہی غارت ہوجاتا ہے۔

ڈکار کے بعد منہ میں پانی آجانا

مسئلہ:۔ جس شخص نے سحری میں اس قدر کھایا ہو کہ طلوعِ آفتاب کے بعد ڈکاریں

آتی ہیں اور ان کے ساتھ پانی آتا ہے، اس سے روزہ میں کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔
(فتاویٰ رشدیہ کامل: ص/۴۷۱، ج/کامل)

مسواک کا استعمال

مسئلہ:۔ مسواک سے دانت صاف کرنا درست ہے خواہ سوکھی مسواک ہو یا تازہ اسی وقت کی توڑی ہوئی، اگر نیم کی مسواک ہے اور اس کا کڑواپن منہ میں معلوم ہوتا ہے جب بھی مکروہ نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ/۳، ص/۱۳ بحوالہ مراقی الفلاح: ص/۲۱۰)

بھاپ لینے اور انہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

مسئلہ:۔ انہیلر پمپ کے استعمال یا کسی بھی دواء کی بھاپ لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر روزہ کی حالت میں انتہائی مجبوری کے وقت اس کو استعمال کیا گیا تو رمضان کے بعد اس روزے کی صرف قضا کرنا ہوگی کفارہ نہیں۔ تاہم اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ اس کے بغیر اس کا گزارنہ ہوتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے صرف فدیہ دینا ہوگا۔

انجکشن لگوانا

مسئلہ:۔ کسی بھی قسم کا ٹیکہ خواہ وہ عضلاتی ہو یا وریدی ہو لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہاں تک کہ اگر کسی طبی ضرورت سے گلوکوز کی بوتل بھی چڑھائی جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ محض روزہ کی مشقت کم کرنے کے لئے Drip یعنی گلوکوز کی بوتل لگوانا

مکروہ ہے پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح خون چڑھانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزہ کی حالت میں خون دینا

مسئلہ:۔ فصد کھلوائے (Venesection) اور کسی مریض کے لئے خون دینے (Blood Donation) سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

انجائنا کا مریض روزہ کس طرح رکھے

مسئلہ:۔ انجائنا (دل کی طرف دوران خون کم ہوجانے) کے مریض اگر روزہ کی حالت میں Angised گولی زبان کے نیچے رکھ لیں اور اس کا خیال رکھیں کہ لعاب حلق کے نیچے اترنے نہ پائے تو منہ کی اندرونی تہہ سے اس کے جذب ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اگر لعاب حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا احتیاط بہتر ہے۔

خونی بواسیر کا مریض

مسئلہ:۔ بواسیر کے مریض کو رمضان شریف میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے پھر جب تندرست ہوجائے اور روزہ رکھنے کے قابل ہوجائے اس وقت قضاء کرے، فدیہ دینا اس کو کافی نہیں ہے، البتہ ایسے مریض کو جسکا مرض دائمی ہوجائے اور صحت سے ناامید ہو، فدیہ دینا جائز ہے۔

جن وجوہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے

مسئلہ:۔ اگر ایسا بیمار ہے کہ روزہ سے نقصان ہوتا ہے اور یہ ڈر ہے کہ روزہ رکھے گا تو

بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھا ہوگا یا جان جاتی رہے گی تو روزہ نہ رکھے، جب اچھا ہو جائے تو اس کی قضاء رکھ لے، لیکن فقط اپنے دل سے ایسا خیال کر لینے سے روزہ چھوڑنا درست نہیں، بلکہ جب کوئی مسلمان دین دار حکیم، طبیب کہہ دے کہ روزہ تم کو نقصان دے گا تب چھوڑنا چاہئے۔

مسئلہ:۔ اگر حکیم یا ڈاکٹر کافر ہے یا شرع کا پابند نہیں ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں، فقط اس کے کہنے سے روزہ نہ چھوڑے۔

مسئلہ:۔ اگر حکیم نے تو کچھ نہیں کہا لیکن خود اپنا تجربہ ہے اور کچھ ایسی نشانیاں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے دل گواہی دیتا ہے کہ روزہ نقصان دے گا تب بھی روزہ نہ رکھے اور اگر خود تجربہ کار نہ ہو اور اس بیماری کا کچھ حال معلوم نہ ہو تو فقط خیال کا اعتبار نہیں۔ اگر دیندار حکیم کے بتائے بغیر اور تجربہ کئے بغیر اپنے خیال ہی خیال سے رمضان کا روزہ توڑے گا تو کفارہ دینا پڑے گا اور اگر صبح سے روزہ ہی نہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا، قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر بیماری سے اچھا ہو گیا لیکن ابھی ضعف باقی ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار ہو جائے گا تب بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو کب رخصت ہے؟

مسئلہ:۔ حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو جب اپنی جان کا یا بچے کی جان کا کچھ ڈر ہو تو وہ روزہ نہ رکھے، پھر بعد میں قضاء رکھ لے، لیکن اگر اپنا شوہر مالدار ہے کہ کوئی دایہ رکھ کے دودھ پلوا سکتا ہے تو دودھ پلانے کی وجہ سے ماں کو روزہ چھوڑ دینا درست نہیں، البتہ اگر بچہ سوائے اپنی ماں کے کسی اور کا دودھ نہ پیتا ہو تو ایسے

وقت میں ماں کو روزہ نہ رکھنا درست ہے۔

صدقہ فطر کے مسائل

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے صدقۃ الفطر کو ضروری قرار دیا (فی کس) ایک صاع کھجوریں یا اسی قدر جو دیئے جائیں غلام اور آزاد مذکر اور مؤنث (یعنی مرد اور عورت) اور ہر چھوٹے بڑے مسلمان کی طرف سے، اور نمازِ عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔''

(مشکوٰۃ: ص/۱۶۰، بحوالہ بخاری و مسلم)

صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟

مسئلہ:۔ صدقہ فطر ہر اُس شخص پر واجب ہے جس کی ملکیت میں سونا ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر نقدی یا مالِ تجارت اور یا ضرورت سے زائد سامان ہو اور یا ان پانچوں یا بعض اشیاء کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مالِ نصاب پر چاند کے حساب سے ایک سال گذر جائے۔ لیکن صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ اگر رمضان کی تیس (۳۰) تاریخ کو کسی کے پاس مال آ گیا جس پر صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے تو عید الفطر کی صبح صادق ہوتے ہی اُس پر صدقۂ فطر واجب ہو جائیگا۔

صدقۂ فطر کے فائدے

صدقہ فطر ادا کرنے سے ایک حکم شرعی کے انجام دینے کا ثواب تو ملتا ہی ہے۔ اُس

کے ساتھ دو مزید فائدے اور ہیں۔

اوّل یہ کہ صدقۂ فطر روزوں کو پاک صاف کرنے کا ذریعہ ہے۔ روزے کی حالت میں جو فضول باتیں کیں اور جو خراب اور گندی باتیں زبان سے نکلیں صدقہ فطر کے ذریعے روزے ان چیزوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عید کے دن ناداروں اور مسکینوں کی خوراک کا انتظام ہو جاتا ہے اور اسی لئے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھو کتنا سستا سودا ہے کہ محض دو سیر گیہوں دینے سے تیس روزوں کی تطہیر ہو جاتی ہے، یعنی لایعنی اور گندی باتوں کی روزے میں جو ملاوٹ ہوگئی اُس کے اثرات سے روزے پاک ہو جاتے ہیں۔

گویا صدقۃ الفطر ادا کر دینے سے روزوں کی قبولیت کی راہ میں کوئی اٹکانے والی چیز باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر مسئلہ کی رُو سے کسی پر صدقۃ الفطر واجب نہ ہو تب بھی دے دینا چاہئے خرچ بہت معمولی ہے اور نفع بہت بڑا ہے۔

"فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طھر اللصیام من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین." (رواہ ابوداؤد)

کس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے

مسئلہ:۔ صدقہ فطر بالغ عورت پر اپنی طرف سے دینا واجب ہے۔ شوہر کے ذمہ اُس کا صدقہ فطر ادا کرنا ضروری نہیں۔ ہاں شوہر کی جو نابالغ اولاد ہے اُس کی طرف سے بھی اُس پر صدقہ فطر دینا واجب ہے بچوں کی والدہ کے ذمے بچوں کا صدقہ فطر

دینا لازم نہیں ہے۔ اگر بیوی کہے کہ میری طرف سے ادا کردو اور شوہر بیوی کی طرف سے ادا کردے تو ادا ہو جائے گا اگرچہ اُس کے ذمہ بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار

مسئلہ:۔ صدقہ فطر کی مقدار گندم سے نصف صاع اور جَو، کھجور، کشمش سے ایک صاع ہے۔ جس کی مقدار گندم کے اعتبار سے آج کل کے زمانہ میں تقریباً پونے دو کلو، احتیاطاً دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہے اور باقی تین چیزوں کی مقدار چار کلو یا اس کی قیمت ہے۔ گندم اور جَو کے آٹے ستو کا بھی وہی حکم ہے جو گندم اور جَو کا ہے۔
فطرانہ میں چاہے یہی اشیاء ادا کریں، چاہے بصورتِ نقد ان کی قیمت ادا کریں ہر طرح جائز ہے بلکہ نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے زیادہ بہتر ہے کہ اس سے فقیر کی ہر ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

بقیہ اجناس، مکئی، باجرہ، چاول وغیرہ سے اگر ادا کرنا چاہیں تو وزن کا اعتبار نہیں بلکہ قیمت کا لحاظ ضروری ہے۔ یعنی ان کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور، یا کشمش کے برابر ہو وزن خواہ ان سے زیادہ ہو یا کم۔

صدقۂ فطر میں بازار کے بھاؤ کا اعتبار ہے

مسئلہ:۔ صدقۂ فطر میں بازار بھاؤ کا اعتبار ہوتا ہے، کنٹرول یا راشن (یوٹیلٹی اسٹور) کی دوکانوں کے ریٹ کا اعتبار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۱۳/۳)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

جمالِ ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

میرے ساتھی وہم مجلس کی حسن وخوبصورتی
نے میرے اندر اچھے اثرات پیدا کردیئے
ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو پہلے تھی۔

(سعدیؒ)

تجلیاتِ ذکر

اس رسالہ میں ذکر اللہ کی فضیلت اہمیت
اور انوار و تجلیات احادیث صحیحہ کی روشنی
میں بیان کیے گئے ہیں

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت
حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید
شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز
مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرامی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

''حضرت ام انس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا گناہوں سے بچ کہ یہ بہترین ہجرت ہے، فرائض کی پابندی کر کہ یہ بہترین جہاد ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کر، کیونکہ اللہ کے دربار میں اللہ کے ذکر سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں۔''

(طبرانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم. اما بعد!

ایمان والوں کو ذکر کثیر کی تاکید

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا.

(سورۃ الاحزاب: آیت/ ۴۱)

''اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔''

تفسیر مظہری نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اس کے لئے ایک حد مقرر کر دی پھر اہل عذر کو معذور بھی قرار دیا۔ مگر ذکرِ الٰہی واحد عبادت ہے جس کی نہ کوئی حد مقرر کی نہ ترک ذکر کے لئے کوئی عذر قبول ہے (مگر پاگل اس سے مستثنیٰ ہیں) اور ہر حال میں اور ہر جگہ ذکر کرنے کا حکم دیا، رات ہو یا دن سمندر ہو یا خشکی، صحت ہو یا بیماری، خفیہ ہو یا علانیہ، ہر حال میں ذکر کا حکم ہے۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ذکر کثیر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قطعاً نہ بھولے، صاحب تفسیر ابن کثیر کہتے ہیں کہ کثرت ذکر کا حکم دینے میں یہ حکمت ہے کہ اس عمل میں نہ کوئی مشقت ہے، نہ کوئی کام رکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ذکر الٰہی کے ساتھ اکثر مقامات پر کثیر کا لفظ بھی بیان فرمایا ہے، چنانچہ ''سورۂ جمعہ'' میں ارشادِ ربانی ہے:۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(سورة الجمعة: آیت ۱۰)

''پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو اور خدا کی روزی تلاش کرو (اور اس میں بھی) اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم کو فلاح ہو۔''

فائدہ:

یعنی اپنے کاروبار میں لگ کر بھی اللہ کو بھولو نہیں بلکہ ہر حال میں اس کو یاد رکھو اور اس کا ذکر کرتے رہو، یہ ایسی تدبیر ہے کہ قول میں، فعل میں، معاملات میں، اخلاق میں، غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کے کسی شعبے میں بھی تم بے راہ نہیں ہونے پاؤ گے اگر کہیں کسی وجہ سے کسی موقع پر تمہارے قدم پھسلنے لگے تو یہ تدبیر تمہیں تھام لے گی، ہمارا ذکر کرنا صرف اتنا نہیں کہ غلط راہ پر چلنے سے روکے گا بلکہ قدم قدم پر تمہاری رہنمائی کرے گا اور منزل بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے گی۔

کثرت ذکر کا مطلب

اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت زندگی کے ہر معاملہ میں کسی نہ کسی طرح اللہ کا نام آتا رہے، دِل ہمہ وقت اللہ کی طرف راغب اور اس کی زبان دائماً اس کے ذکر سے تر رہے اس آیت مبارکہ میں ذکر کا حکم دے کر یہ بھی فرمایا کہ ذکر کی حقیقت بھی سمجھ لو کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ

''لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''

یعنی یہ فلاح دارین کا ذریعہ ہے، اس لئے اگر کسی کی نگاہ میں فوز و فلاح کی

کوئی اہمیت ہے تو اس کے حصول کا بنیادی سبب ''ذکر الٰہی'' ہے اس لئے ذکر کثیر کی اہمیت سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے۔

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ اپنے اوقات میں زندگی کے ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔'' (مسلم باب مخالطۃ الجنب ابوداؤد)

حدیث میں ''احیان'' کا لفظ آیا ہے جو مذکر ہے، احیان جمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اضافت جمع کی اپنے مابعد کی طرف استغراق حقیقی کا فائدہ دیتی ہے پھر اس پر محیط الافراد لفظ ''کل'' بھی داخل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اکل شرب، بول وبراز، جماع اور نیند کے اوقات چھوڑ کر حضور اقدس ﷺ تمام اوقات ذکر الٰہی کرتے تھے۔

غور کا مقام یہ ہے کہ اللہ کا برگزیدہ بندہ اور آخری نبی جسے اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، اسے یہ ذکر الٰہی اتنا پسند ہے کہ زندگی بھر میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتا، لہٰذا حضور ﷺ کی سنت کی پیروی میں حضور ﷺ کے پسندیدہ کام میں مشغول رہنا چاہئے۔

اللہ کے ذکر کے وقت کسی کی پرواہ نہ کی جائے

''حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:۔

''ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریاکار کہنے لگیں۔'' (رواہ احمد)

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ منافقوں یا بیوقوفوں کے ریاکار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت ''ذکر الٰہی'' کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اس میں اور کثرت پیدا کر دینی چاہیے کہ لوگ تمہارا پیچھا مجنون اور پاگل سمجھ کر چھوڑ دیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فضائلِ ذکر میں ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ذکر کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے اللہ کے ذکر کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ بغیر ذکر کے کوئی چیز نفع نہ دے گی۔ بہر حال کسی کی طعنہ زنی سے اپنا نقصان نہیں کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحابیؓ کو نصیحت

''حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اسے عرض کیا کہ احکام شریعت بہت ہیں جن کی تعمیل میں، میں کمزوری محسوس کرتا ہوں۔ مجھے کوئی آسان اور جامع عمل بتا دیجئے جسے میں حرزِ جان بنالوں، آپ نے فرمایا کہ آسان عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (شریعت کے تمام اعمال کی انجام دہی کثرتِ ذکر کی برکت سے تمہارے لئے آسان ہو جائیگی)۔'' (جامع ترمذی)

ہر عمل کی ادائیگی میں مشقت ہے کسی میں زیادہ اور کسی میں کم۔ لیکن ذکر الٰہی کی ادائیگی میں سرے سے کوئی مشقت اٹھانی ہی نہیں پڑتی، اس لئے زمان ومکان کی قید اٹھا کر ہر وقت اور ہر حال میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ

روح کی تازگی قائم رہے۔

ذکراللہ سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ عمل نہیں

''حضرت ام انس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا گناہوں سے بچ کہ یہ بہترین ہجرت ہے، فرائض کی پابندی کر کہ یہ بہترین جہاد ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کر، کیونکہ اللہ کے دربار میں اللہ کے ذکر سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں۔'' (طبرانی)

فائدہ:

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین امور کی تلقین فرمائی ہے۔

اول:۔ حقیقی ہجرت کی نشاندہی فرمائی کہ اللہ کی نافرمانی کو چھوڑ دینا بہترین ہجرت ہے۔

دوم:۔ فرائض کی پابندی افضل ترین جہاد ہے، جہاد کے معنی حصول مقصد کے لئے انتہائی کوشش کرنا ہے خواہ اس کوشش میں وقت، مال یا جان کی قربانی ہی کیوں نہ پیش کرنی پڑے، حضور ﷺ نے جہاد کے مشہور معنی سے قطع نظر کرتے ہوئے فرائض کی پابندی کے لئے اس جہدِ مسلسل کو افضل الجہاد فرمایا۔

سوم:۔ کثرتِ ذکر الٰہی، اس کی تفصیل میں حضور ﷺ نے دوسرا انداز اختیار فرمایا پہلے دونوں امور کی نسبت بندے کی طرف کی کہ یہ بندے کے حق میں بہترین ہجرت اور بہترین جہاد ہے۔ مگر ذکر الٰہی کے بیان میں حضور ﷺ نے اس کی

نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پسند کو کسی دوسرے کی پسند پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، لہٰذا یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی یہ پسندیدہ چیز کثرت سے موجود ہو۔

اللہ کا ذکر کائنات کی ہر چیز سے بالاتر ہے

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ. (العنکبوت : ۴۵)

''اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔''

یعنی ذکر الٰہی وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں، یہ نہ ہو تو عبادت کیا ہے، ایک جسد بے روح، ایک لفظ بے معنی۔ ابوداؤد شریف وغیرہ کی بعض احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ذکر اللہ (اللہ کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، اصلی فضیلت اسی کو ہے، یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے تو دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ عمل میں فضیلت ذکر الٰہی کی بدولت آئی ہے، بہرحال ذکر اللہ تمام عبادات سے افضل ہے۔

ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ اللہ کی یاد بذات خود بہت بڑی چیز ہے، یہ خیر الاعمال ہے، انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا، تمہارے اس کو یاد کرنے سے زیادہ بڑی چیز ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ. (البقرہ : ۱۵۲)

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

ذکر اللہ دوسرے اعمال کے مقابلے میں

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال میں بہتر اور تمہارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے اور تمہارے درجوں کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے اور اس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے اس میں خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں اور خدا کے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دو اور وہ تمہیں ذبح کریں اور شہید کریں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا! ہاں یارسول اللہ ﷺ ایسا قیمتی عمل ضرور بتایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ کا ذکر ہے۔'' (جامع ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں مزید وضاحت اور تفصیل ہے کہ:۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کی صفائی کے لئے کوئی صیقل ہے، قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر اللہ کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار

بھی ٹوٹ جائے۔" (معارف الحدیث ج ۵)

اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلے میں ذکر اللہ افضل اور عند اللہ محبوب تر ہے۔ بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت وخشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کے پاس بہت سا مال ہو اور وہ اسے تقسیم کر رہا ہو، دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔" (الطبرانی)

فائدہ:

انفاق فی سبیل اللہ بڑی اونچی عبادت ہے اس سے محتاجوں اور مستحقوں کی حاجت کی تکمیل ہوتی ہے مگر اس کے باوجود حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ کے نزدیک اللہ کا ذکر کرنے والا افضل اور برتر ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی ہو اور قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اتنا پختہ ہو کہ ایک لمحہ بھی وہ اسے بھولتے نہ ہوں۔

ذکر اللہ عذابِ قبر سے نجات کا ذریعہ

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذابِ قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔" (جامع ترمذی)

اس حدیث میں ذکر الٰہی کے بارے میں کتنی وضاحت ہے کہ وہ عذاب قبر

سے نجات دلاتا ہے اس سے بڑا کوئی عمل عذاب قبر سے نجات نہیں دلاتا۔

عذاب قبر کتنی سخت چیز ہے اور کتنا سخت مرحلہ ہے اس سے وہی لوگ بخوبی واقف ہیں جن کے سامنے عذاب قبر کی احادیث ہیں، کتابوں میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت عثمان غنی ﷛ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی، کسی نے پوچھا کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے ایسا نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آنے سے روتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ قبر آخرتِ کی سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس سے نجات پالے بعد کی سب منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اور جو اس سے نہ بچ سکا بعد کی منزلیں اس پر دشوار ہوتی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

ذکر اللہ سب سے افضل عمل ہے

”حضرت عبداللہ بن بسر ﷛ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ کون سا آدمی سب سے بہتر ہے، آپ نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور اعمال اچھے ہوں پھر اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے، آپ نے فرمایا تو دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (یہ عمل سب سے افضل ہے۔)“ (جامع ترمذی)

فائدہ:

حسن عمل یہی ہے کہ بندہ طویل عمر پا کر اللہ کے احکام کی تعمیل اس طریقے سے کرے اور اس شکل میں کرے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا یا پسند فرمایا ہو اس

کے برخلاف آدمی اپنی پسند اور خواہش کے مطابق عمل کے طریقے ایجاد کرتا رہے تو ایسے عمل سے لذت نفس تو حاصل ہوسکتی ہے مگر اسے حسن عمل نہیں کہہ سکتے۔

دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آدمی کی زندگی اس حال میں گذرے کہ جب یہاں سے جانے لگے تو زندگی بھر کا محبوب مشغلہ یعنی ذکرِ الٰہی اس کے دل کی گہرائیوں میں رچ بس چکا ہو اور اس کی زبان پر اسی کا تذکرہ ہو، یہ عمل یہ سب سے افضل ہے۔

ذکر اللہ میں مشغول بندے ہی عقلمند ہیں

ارشاد باری ہے:۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ. (سورۃ آل عمران: آیت/ ۱۹۰)

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہل عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر برابر یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔''

عقلمند کون؟

مفسرین نے لکھا ہے کہ سمجھ کے ابتدائی درجہ کو ''عقل'' کہتے ہیں اور کامل درجہ کو ''لُب'' کہتے ہیں، اور اس درجہ پر فائز لوگ ''اولی الالباب'' کہلاتے ہیں، پھر

ان کی دو علامتیں بتلائیں۔ اول دوامِ ذکر، دوم کائنات میں غور وفکر۔ جب ایک آدمی کی زبان ذکر الٰہی میں مستغرق ہے تو گویا انسان سارے کا سارا عبادات میں مستغرق ہے۔ غور وفکر سے پہلے ذکر کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ احکام الٰہی پر مستقل طور پر عقل جم ہی نہیں سکتی، جب تک اسے ذکر الٰہی اور توفیق الٰہی سے روشنی نہ مل جائے۔

عقلمند کہاں ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند کہاں ہیں؟ لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں؟ جواب ملے گا وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے) اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ آپ نے یہ سب کچھ بے فائدہ تو پیدا کیا ہی نہیں، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، اس کے بعد ان لوگوں کے لئے ایک جھنڈا بنایا جائے گا جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اہل ایمان کے خصوصی اوصاف

ارشاد باری ہے:۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ. (النور:۳۷)

''(ہاں) ایسے لوگ ہیں صبح وشام تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت
نہ ذکر الٰہی سے روکتی ہے، نہ نماز قائم کرنے سے، نہ زکوٰۃ دینے
سے، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس میں دل اور آنکھیں
الٹ دی جائیں گی۔''

دو بڑی رکاوٹیں

کسی شخص کو مقصد سے دور رکھنے کے لئے دو بڑی رکاوٹیں ہوسکتی ہیں، وہ خوف اور طمع ہے۔ خوف کا معاملہ تو یہ ہے کہ انسان کا جسم بظاہر مقصود کی طرف بڑھنے سے رک جاتا ہے مگر اس کا دل اس کی طرف اٹکا رہتا ہے۔ لیکن طمع (لالچ) ایسی رکاوٹ ہے کہ دل سے بھی مقصود کا خیال بالکل نکل جاتا ہے، اور لالچ میں آکر مقصود بالکل اس کے دل ودماغ سے محو ہو کے رہ جاتا ہے۔ غالباً اسی حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں اس رکاوٹ کا ذکر فرمایا ہے اور طمع میں سب سے بڑی لالچ دولت کا حصول اور جنون کی حد تک اس کی فکر ہے۔

حضرات صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں ان دونوں رکاوٹوں کی نفی فرمائی ہے کہ ان پر محبت الٰہی کا اتنا غلبہ ہے کہ خوف اور لالچ انہیں ذکر الٰہی سے نہیں روک سکتا اور جذبہ عبودیت اتنی شدت کا ہے کہ عبادت الٰہی سے باز نہیں رکھ سکتا۔

مشکل ترین حالات یعنی جہاد میں بھی ذکر الٰہی کا حکم

ارشادِ باری ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الانفال: آیت ۴۵)

"اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے۔"

اللہ کے ذکر کی قوت وطاقت

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو مشکل ترین حالات میں جو ذکر کا حکم دیا ہے دراصل تنبیہ ہے کہ انسان کا قلب اور اس کی زبان کسی حال میں اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو بندہ مؤمن کو زیبا یہی ہے کہ کوئی طاقت اسے ذکر الٰہی سے باز نہ رکھے اور مصائب میں اللہ سے التجا کرتا رہے۔

جنگ کی ہولناکیوں سے کون واقف نہیں، دشمن طاقتور ہو اسلحہ کی کمی ہو، افرادی قوت کا عنصر مفقود ہو تو ایسے حالات میں بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، ہر ایک کو جان بچانے کی فکر ہوتی ہے، ایسی حالت میں بھی اہل ایمان کو دو ہدایات دی دی گئی ہیں۔

اول ثابت قدم رہو، دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ اسلحہ اور قوت حاصل ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ مجھے کثرت سے یاد کرو یعنی میری یاد تمہارا اصل سرمایہ ہے، ایک عظیم قوت ہے، کارآمد اسلحہ ہے اور تمہاری کامیابی کا انحصار اسی پر ہے۔

جب ایسی حالت میں اللہ کی یاد کو ایک مؤمن کا ہتھیار کہا گیا ہے تو عام حالات میں بھی اللہ کی یاد سے غافل ہونے کی حماقت کون کر سکتا ہے؟

ایک حدیث قدسی میں ہے فرمایا:

"میرا مکمل بندہ وہ ہے جو اپنے حریف مقابل سے جنگ کے وقت

بھی مجھے یاد کرتا ہے۔"

قرآن وحدیث کے ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز سے لے کر جہاد تک تمام اعمال صالحہ کی روح اور جان ذکر اللہ ہے یہی ذکر اور دل وزبان سے اللہ کی یاد وہ پروانۂ ولایت ہے کہ وہ واصل ہو گیا اور جس کو عطا نہیں ہوا مردود اور مہجور ہو گیا۔

اللہ کا ذکر عبادت کی کمی کی تلافی کرتا ہے

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص رات کو محنت کرنے سے عاجز ہو اور بخل کی وجہ سے مال بھی خرچ نہ کر سکتا ہو اور بزدلی کی وجہ سے دشمن کے خلاف جہاد بھی نہ کر سکتا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔" (الطبرانی)

مطلب یہ ہے کہ راتوں کو جاگ کر نوافل کے لئے اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔ اسی طرح نفلی عبادت کے طور پر بخل کی وجہ سے خرچ کرنے سے بھی طبیعت رکتی ہے۔ اور اسی طرح جہاد میں بھی دل کی کمزوری کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تو ان تمام نفلی عبادات میں ہر طرح کی کوتاہی اور تلافی اور کمی کو پورا کرنے کا نسخہ یہ بتایا کہ کثرت سے ذکر الٰہی کیا جائے اس کی برکت سے امید ہے کہ امور متذکرہ بالا کی توفیق عطا ہو جائے۔

اہل ذکر کی صحبت اختیار کرنے کا حکم

ارشاد باری ہے:۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ

وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ. (سورۃ الکہف: آیت ۲۸)

"اور اپنے آپ کو روک کر رکھئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے
پروردگار کو پکارتے ہیں صبح و شام محض اس کی رضا جوئی کے لئے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ بھی رکھے ہیں، جن کی صحبت اختیار کرنے کا مجھے حکم دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مجلس ذکر کی عظمت واہمیت

حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں فقراء ومہاجرین کی مجلس میں بیٹھا تھا ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا اتنے میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے پوچھا تم لوگ کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم سن رہے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کی صحبت اختیار کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے پھر آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا: اے فقراء مہاجرین کی جماعت میں تمہیں قیامت کے دن نور کامل کی بشارت دیتا ہوں تم لوگ مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوگے۔

فائدہ:

آیت مذکورہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے اپنے بندے کی یہ مشکل خود حل فرمادی کہ تمہیں جب بھی تنہائی کا احساس ہو اور پرسکون ماحول کی تلاش کے لئے نکلو تو ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو اپنے خالق کے ساتھ ایسا تعلق

قائم کر چکے ہیں کہ کسی حال میں اس کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔

حضور اکرم ﷺ کو اس بات کا حکم فرمانا کہ اہل ذکر کی صحبت اختیار کریں، اس لئے نہیں تھا کہ حضور ﷺ ان سے کچھ سیکھیں یا ان کا رنگ قبول کر کے اپنی خوبیوں میں اضافہ کریں۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ آپ اپنی کوششوں کو بار آور دیکھ کر خوشی محسوس کریں اور آپ دیکھیں کہ اللہ سے بندے کا تعلق جوڑنے کا جو بیج بویا تھا، آج لہلہاتی ہوئی فصل کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

اس میں ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی اہمیت امت پر واضح کی جائے کہ جب افضل الرسل کو اس بات کی ہدایت کی جا رہی ہے تو تم اس کی اہمیت کا اندازہ کر لو۔

ایک اور حکمت اس میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ امت کا کوئی فرد اگر یہ اختیار کرے گا تو اسے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک تو اس کی اصلاح ہو جائے گی، بری صحبت کے اثرات سے بچ جائے گا۔ دوسرا نبی اکرم ﷺ کی سنت کی اتباع کا اجر بھی پائے گا۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ امت کی تعلیم کی غرض ہے، حضور اقدس ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے، آیت کے نزول کا مقصد اور مخاطب امت کے افراد ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فضائل ذکر میں لکھتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات صحابہ کرام ؓ کو تلاش کیا تو مسجد کے آخری حصے میں بیٹھے ہوئے پایا کہ یہ

لوگ ذکر اللہ میں مشغول ہیں، حضور ﷺ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری زندگی میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (از فضائل ذکر)

دعوت وتبلیغ میں ذکر کی اہمیت

اس سلسلے میں تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے چند ملفوظات ذکر کیے جاتے ہیں۔ جس سے دعوت وتبلیغ میں ذکر کی اہمیت پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

(۱) فرمایا: آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی، اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا گویا یہ علم وذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جاسکتی۔ (ذکر کی اہمیت، ملفوظ: ۳۵)

(۲) فرمایا: علم وذکر ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آیا اس سے مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل ذکر اور اہل علم کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے مستفیض بھی ہوں۔ (ملفوظ: ۵۴، بحوالہ ذکر کی اہمیت)

(۳) فرمایا: تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں بلکہ اس کے ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم وتربیت بھی مقصود ہے اور نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے، علم دین

اورذکراللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں۔ (ملفوظ:۱۳۴، بحوالہ ذکر کی اہمیت)

(۴) فرمایا: علم وذکر کی اہمیت کو کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدانخواستہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔ (بحوالہ ذکر کی اہمیت)

(۵) فرمایا: ذکر شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور حصن حصین ہے، لہٰذا جس قدر غلط اور برے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا جائے شیاطین جن وانس کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کی خاطر اسی قدر زیادہ ذکراللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(بحوالہ ذکراہمیت)

(۶) فرمایا: کہ اگر تم تبلیغ کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ذکر پر مداومت رکھو گے تو انشاءاللہ عجیب وغریب برکات دیکھو گے، (بحوالہ ذکر کی اہمیت)

ذکرالٰہی سے غافل لوگوں سے دور رہنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

فَاَعۡرِضۡ عَمَّنۡ تَوَلّٰی عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا۔ (سورۃ النجم: آیت/۳۰)

”پس منہ پھیر لیجئے اس شخص سے کہ جو پھر گیا ہماری یاد سے اور نہیں ارادہ کیا مگر زندگانی دنیا کا۔“

تفسیر کبیر نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بیمار قلوب کے معالج تھے ،آپ نے اپنے علاج میں ترتیب ملحوظ رکھی جیسے طبیب جسمانی بھی کیا کرتے ہیں،

ان کا طریقہ علاج یہ ہے کہ جب صرف غذا سے اصلاح ہو سکے تو دوا نہیں دیتے اور جب معمولی دوا سے کام چل جاتا ہے تو طبیب مقوی دوائیں نہیں دیتے اور جب معاملہ انتہاء کو پہنچ جائے اور دوائیں کچھ کام نہ کریں تو طبیب آپریشن کرتے ہیں اور یہ آخری علاج آپریشن ہوتا ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اولاً ذکر الٰہی کا حکم دیا، کیونکہ ذکر الٰہی قلوب کی غذا ہے اور قلب کو اس سے اطمینان آجاتا ہے اس علاج سے بہت سے لوگ مستفید و متمتع ہوئے جن کی ذکر سے اصلاح نہ ہوئی تو آپ نے ان کی معمولی دوا کی جہاں یہ بھی کارگر نہ ہوئی وہاں آپ نے لاعلاج قرار دیکر ان کے علاج سے دست بردار ہونا ضروری سمجھا، آپ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے کنارہ کش ہو جائیں ایسا نہ ہو کہ ان سے میل جول سے صالح طبیعتوں میں بھی بگاڑ پیدا ہو جائے۔

یہ اعراض اور کنارہ کشی بالکل اسی قسم کی ایک احتیاطی تدبیر ہے جیسے وبائی مہلک امراض کی صورت میں ڈاکٹر حضرات احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ اس بیماری کے جراثیم صحت مند لوگوں کو بھی نہ لگ جائیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ یوں آتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے انکار ہو یا انکا مذاق اڑایا جارہا ہو، ایسی مجلس میں مت بیٹھو، اگر تم خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہے تو اللہ تعالیٰ کے ریکارڈ میں تمہارا شمار انہیں لوگوں میں ہوگا۔

ایک دوسرے مقام پر ہے کہ اگر تم ایسی محفل میں پھنس گئے یا بے خیالی میں بیٹھ گئے تو جوں ہی یاد آئے یا احساس ہو جائے تو فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہو، بہت

ہی واضح حکم ہے کہ

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ. (انعام: آیت/۶۸)

"اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔"

وجہ اس کی یہ ہے کہ صحبت کا ایک اثر ہوتا ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ذی ہوش آدمی انکار نہیں کرسکتا اور اگر اس میں کسی کو شبہ ہو تو آج کی نسل کو دیکھ لے وضع قطع سے لیکر رہنے سہنے اور کھانے پینے تک ہر عمل سے عیاں ہے کہ سوسائٹی نے اس کا حلیہ تک بگاڑ کر رکھ دیا ہے اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے تنبیہ فرمادی کہ

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ. (جامع الترمذی)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر شخص یہ دیکھے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔"

انسان سوسائٹی کا مقابلہ بہت مشکل ہی سے کرسکتا ہے، اس لئے ہر شخص کو دوستوں کے انتخاب کے وقت پوری پوری احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ سانپ اتنا ہی زیادہ زہریلا ہے جتنا وہ نظر آتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰاہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا. (سورۃ الکھف: آیت/۲۸)

"اوراس کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل
کرر کھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اوراس کا معاملہ حد
سے گذرا ہوا ہے۔"

یہ آیت بتلاتی ہے کہ انسان کی بدترین حالت وہ ہے کہ اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی ہو اور دنیوی خواہشات سے پر ہو اللہ کا ذکر نور ہے اور ماسوی اللہ کا ذکر ظلمت ہے، اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمارہے ہیں کہ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے اس کی اطاعت نہ کیجئے یعنی اس کی بات نہ مانئے۔ دراصل یہ حکم آپ ﷺ کو دیکر امت کو باخبر کیا گیا ہے۔

ذکر الٰہی سے غفلت کا نتیجہ اور اس کے نقصانات

ذکر الٰہی سے غفلت کا لازمی نتیجہ اتباع ہویٰ اور بے راہ روی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَ مَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَهٗ شَیۡطَانًا فَهُوَ لَهٗ
قَرِیۡنٌ وَ اِنَّهُمۡ لَیَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ
وَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ. (سورۃ الزخرف:۳۶)

"اور جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے ہم اس پر ایک شیطان
متعین کرتے ہیں، پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے، شیطان تو آدمیوں
کے راستے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں۔"

مطلب یہ ہے ذکر الٰہی سے اعراض یعنی اللہ کی یاد سے منہ موڑ نے کا اثر انسان کی ذات پر فوری طور پر اس انداز سے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر شیطان کو متعین اور مسلط کر دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ غفلت کے گناہ کی فوری سزا کی ایک صورت ہے اس سزا کی حیثیت کا صحیح اندازہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب انسان کو علم ہو کہ شیطان کون ہے اور انسان سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس سلسلے میں اس نے انسان کو اندھیرے میں نہیں رکھا بلکہ اپنی آخری کتاب میں شیطان کا پورا پورا تعارف کرا دیا ہے، مثلاً ایک جگہ فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ. (سورۃ الاسراء:۵۳)

"کہ شیطان لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالتا ہے۔"

نا اتفاقی، نفرت، اور دشمنی کے بیج بوتا ہے جس سے معاشرہ میں چین وسکھ اٹھ جاتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا.

(سورۃ الاسراء:آیت/۵۳)

"شیطان بنی نوع انسان کا دشمن ہے اور دشمن بھی کھلا ہوا کہ اس کی دشمنی میں کوئی شک وشبہ نہیں۔"

تیسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا.

(سورۃ فاطر:٦)

''شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے اپنا دشمن ہی سمجھو (اور اس کے
ساتھ وہی سلوک کرو جو ایک دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے)۔''

ستم بالائے ستم یہ کہ انسان فی الواقع اسے اپنا دوست سمجھنے لگتا ہے اور یہ وہی صورت ہے کہ آدمی اپنی حماقت سے زہر کو تریاق سمجھنے لگے اس کے یہ سمجھ لینے سے زہر کا اثر نہیں جائے گا، زہر تو ہر حال میں زہر ہے تو بات یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کو بھلا بیٹھا ہے جس محفوظ قلعے میں اسے پناہ مل سکتی تھی، یہ خود اس سے بھاگ آیا ہے جس سے شیطان کا کام آسان ہو گیا ہے۔ اور وہ پھر اپنے طویل المدت منصوبے پر عمل کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا
وَنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَعْمٰى. (سورۃ طٰہٰ: آیت/۱۲۴)

''پس جس نے منہ پھیرا میری یاد سے پس اس کے واسطے معیشت
ہے تنگ اور اٹھائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔''

جس تنگی کی وعید آیت میں سنائی گئی ہے وہ دنیوی زندگی میں یا قبر کی زندگی میں یا آخرت کی زندگی میں یا دین کے معاملہ میں یا ان سارے مراحل پر یا ان میں اکثر امور میں مراد ہو سکتی ہے۔

بندہ کا جب اللہ سے قلبی تعلق پیدا ہوتا ہے تو سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جب ذکر الٰہی سے ہی منہ موڑ لیا تو سکون ملے تو کیونکر؟ تنگی دور ہو تو کیسے؟

جہاں تک اخروی زندگی کی تنگی کا معاملہ ہے تو اس کے کچھ اشارات احادیث میں ملتے ہیں۔ مثلاً

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی زندگی کا جو لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر گذرتا ہے قیامت کے دن انسان کو اس لمحے کے ضائع ہونے کا افسوس ہوگا۔'' (رواہ البیہقی)

دنیا ایک امتحان گاہ ہے، انسان کی زندگی اس کمرہ امتحان میں پرچہ لکھنے کی مہلت کی سی ہے جب نتیجہ نکلے گا تو انہیں احساس ہوگا کہ میں نے مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا لیکن اب افسوس کا کیا فائدہ؟ وقت نکل چکا، اس لئے دنیا میں ہر لمحہ کو کار آمد بنانے کی فکر ہونی چاہیے۔ تاکہ قیامت کے دن اس کا افسوس تو نہ رہے کہ میں نے دنیا میں اپنے وقت کو ضائع و برباد کیوں کیا۔

شیطان کا کام، ذکر سے غافل رکھنا ہے

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یادِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔'' (بخاری شریف)

انسان کے لئے شیطان کے دشمن ہونے میں صرف اسی شخص کو شک ہوسکتا ہے جو،

وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً. (نساء : ۱۲۲)

''اللہ سے بڑا سچا کون سکتا ہے۔''

پر یقین نہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بارہا انسان کو بتلائی ہے کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اب انسان کا عمل دو قسم کا ہو سکتا ہے یا تو اپنی حفاظت کا اہتمام کرے تاکہ انسانی شرف سے محروم نہ ہو۔ یا پھر اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کردے اور

اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ.

''گھٹیا ترین۔''

بن جائے۔ جہاں تک حفاظت کی تدبیر کا تعلق ہے تو وہ تو اللہ تعالیٰ نے بتادی کہ میرا ذکر کیا کرو، یہ ایک ایسا محفوظ قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں ہو سکتی، اس کے برخلاف ذکر سے غفلت گویا شیطان کو دعوت دینا ہے کہ وہ آئے اور مجھے بہکائے۔

فضول کلام دل کی سختی کا باعث ہے

''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں (کلام) مت کیا کرو۔ کیونکہ ذکر الٰہی کے بغیر کثرت کلام سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو چکا ہو۔'' (جامع ترمذی)

باتیں کرنا انسان کی فطرت اور خصوصیت ہے لیکن کثرت کلام کو اس حدیث میں مہلک مرض بتایا گیا ہے کیونکہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور سخت

دلی کے نتیجے میں اللہ سے دور ہو جاتا ہے، جو ایک بہت بڑا ضرر ہے اور نقصان کا باعث ہے۔ مگر ایک عمل کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ ہے ذکر الٰہی کی کثرت، یہ جتنا زیادہ کیا جائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کثرت کی حد یہاں ختم ہوتی ہے اس لئے جتنا ذکر الٰہی کیا جائے تھوڑا ہی ہے کیونکہ اس کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کی مزید وضاحت درج ذیل احادیث میں بھی ملاحظہ کیجئے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے
فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں یوں بیٹھا کہ اس میں اللہ کا ذکر ہی
نہیں ہوا تو یہ عمل اس کے لئے نقصان دہ اور حسرت کا باعث ہوگا۔
اور جو شخص آرام کے لئے بستر پر یوں لیٹا کہ اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا
تو وہ لیٹنا اس کے لئے سرمایہ حسرت بنے گا۔'' (سنن ابوداؤد)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک قطعہ زمین پڑوسی قطعہ زمین سے پوچھتی ہے کہ کیا آج تجھ پر کسی ایسے آدمی کا گذر ہوا جو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے گذرا ہے جواب اثبات میں ہو تو اسے مبارکباد کہتی ہے، اور اگر جواب نفی میں ہو تو اظہار افسوس کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ کوئی شخص ذکر کرتا ہے تو وہ جگہ اس کے لئے دعائیں کرتی ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ایک جگہ بیٹھتا اور لیٹتا ہے تو اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اگر وہاں ذکر نہیں کرتا تو اس نے اس جگہ کا حق ادا نہیں کیا اس نقصان کا احساس یا اس کی یاد اسے حسرت کے سوا کیا دے گی۔

مجلس کا حق اللہ کا ذکر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں بیٹھ کر انسان نے اللہ کو یاد نہ کیا اور نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجا تو وہ وقت اور جگہ اس کے لئے وبال بن جائیگا۔ پھر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے چاہے تو معاف کر دے۔'' (جامع ترمذی)

فائدہ:

جب انسان کسی مجلس میں شریک ہوتا ہے تو اس میں شریک ہونے والا چپ سادھے نہیں بیٹھا رہتا، باتیں ہوتی ہیں، تبادلہ خیال ہوتا ہے، بحث ومباحثہ ہوتا ہے، اس دوران اللہ کا ذکر مطلقاً زبان پر نہیں آتا، ظاہر ہے کہ وہ وقت صرف ضائع ہی نہیں ہوا بلکہ غفلت اور برائی بن کر انسان کے حصہ میں آیا، وقت کا توصحیح مصرف یہ ہے کہ مجالس میں اللہ کا ذکر کرے خواہ کسی صورت میں ہو اور حضور ﷺ پر درود بھیجے اور اگر ان میں سے کوئی کام نہ کیا تو حساب کے دن اسے حسرت ہوگی کہ ہائے میں ایسی مجلس میں کیوں بیٹھا اور یہ وقت ضائع کر کے کیوں کفرانِ نعمت کے جرم کا مرتکب ہوا مگر اس وقت یہ حسرت اسے کوئی فائدہ نہ دے سکے گی، ہاں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ کوتاہی معاف فرما دے تو یہ اس کی عین عنایت ہے اور عدل سے کام لیکر سزا دے تو عین انصاف ہے جو سلوک کرے اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

عبداللہ بن شفیق ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر

آدمی کے قلب کے ایک حصے پر فرشتہ متعین ہے، ایک حصے پر شیطان گھات لگائے بیٹھا ہے۔

جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے چھپ جاتا ہے اور جب وہ ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنی سونڈ اس کے قلب میں رکھدیتا ہے اور اس میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں کوئی جذبہ اٹھتا ہے تو اس کے عمل میں آنے سے پہلے انسان کے اندر کی دو قوتوں (ملکوتی طاقت، شیطانی طاقت) میں سے ملکوتی طاقت غالب آجائے تو وہ جذبہ لازماً نیک جذبہ ہوتا ہے اور انسان عملی اقدام کرتا ہے اس صورت میں شیطانی قوت شکست کھا کر پیچھے دبک جاتی ہے، اور اگر شیطانی قوت غالب آجائے تو وہ جذبہ برائی کا جذبہ ہوتا ہے اب شیطان کی بن آتی ہے اور وہ پوری مستعدی سے اپنا کام شروع کر دیتا ہے، اس کا کامیاب ہتھیار یہ ہے کہ انسان کو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر دے، اس صورت میں انسان کے لئے حق کی طرف بڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اعمال کے خاتمہ پر ذکر اللہ کی تاکید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ. (سورة النساء: آیت/۱۰۳)

''اور جب نماز ادا کرچکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ کھڑے
اور بیٹھے اور لیٹے۔''

یعنی ہر حالت میں حتیٰ کہ عین لڑائی کے وقت بھی اللہ کا ذکر جاری رکھو دل سے بھی اور احکام شرعیہ کے اتباع سے بھی کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے، غرض نماز تو ختم ہوئی لیکن ذکر ختم نہیں ہوتا سفر یا خوف کی وجہ سے نماز میں تخفیف تو ہوگئی لیکن ذکر اپنی حالت پر ہے۔

خاص جمعہ کی نماز کے بارے میں ارشاد ہے

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الجمعۃ: آیت/۱۰)

''پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔''

حج کے بارے میں ارشاد ہے

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا. (سورۃ البقرۃ: آیت/۲۰۰)

''پس جب کرچکو تم عبادتیں اپنی پس یاد کرو اللہ کو جیسا کہ یاد کرتے تھے تم اپنے باپوں کو بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہو۔''

ان تینوں آیات سے معلوم ہوا کہ نماز اور حج جیسی اہم عبادات سے فارغ ہونے کے بعد بھی بندہ کے لئے ذکر اللہ سے غافل ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ ان کے خاتمہ پر بھی اس کے دل میں اور اس کی زبان پر اس کا ذکر ہونا چاہیے اور اسی کو ان اعمال کا خاتمہ بننا چاہئے۔

ذکر کے چند آداب

اگر چہ اللہ کے ذکر کے لئے حق تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں رکھی ہے، اس لئے ہر طرح ہر حال میں جائز اور موجب ثواب ہے لیکن ذکر اللہ کا ادب ملحوظ رکھ کر ذکر کیا جائے تو وہ کیمیا ہے جس سے خاک بھی سونا ہو جاتا ہے، علماء کرام نے آداب ذکر کی جو خوبیاں بیان فرمائی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ بہتر یہ ہے کہ جس جگہ ذکر کر رہا ہو، وہاں قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو اللہ کا ذکر اکمل طریقہ سے کرے۔

☆ عاجزی، خشوع وخضوع اور سکون واطمینان اور دل کی توجہ کے ساتھ ذکر کرے۔ جلد بازی اور وقت گذاری کا طریقہ اختیار نہ کرے۔

☆ جن الفاظ کے ساتھ ذکر کرے اس کے معانی ومفہوم کو اچھی طرح سمجھے اور اس میں غور وفکر کرے۔

☆ ذکر کرتے وقت مسواک وغیرہ سے منہ صاف کرے تا کہ اگر کسی چیز کی بدبو ہو تو وہ دور ہو جائے۔

☆ ذکر کرنے والا جس جگہ ذکر کرے وہ جگہ پاک وصاف ہو اور ان تمام

چیزوں سے خالی ہو جو توجہ ہٹانے والی ہوں۔

☆ نجاست اور بدبو والی جگہ پر ذکر نہ کرے۔

☆ جس شخص نے دن یا رات میں کسی وظیفہ کا معمول بنالیا ہو۔ مثلاً تلاوت قرآن پاک، تسبیح وتہلیل اور درود شریف واستغفار کی کوئی مقدار معین پڑھنے کا تو اس کو چاہیے کہ اس معمول کی پابندی کی کوشش کرے، ناغہ نہ ہونے دے اگر کسی وقت کسی وجہ سے مقررہ وقت پر نہ پڑھ سکا تو دوسرے وقت میں پڑھ لے۔ (از حصن حصین)

برکاتِ ذکر احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

عَنْ أَبِي هُرَيرَةَ رضى الله عنه عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: عَنِ اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُ. (متفق علیه)

”حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسے وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں

اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ کسی جماعت میں مجھے
یاد کرتا ہے تو میں بھی اس جماعت سے بہتر جماعت
(فرشتوں) میں اسے یاد کرتا ہوں۔"
اس حدیث قدسی میں چار امور کا ذکر ہے۔

فائدہ:

اول:۔ یہ کہ انسان اپنے رب کریم کے متعلق جس قسم کا عقیدہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو رب کریم کی نعمتوں کا احساس رکھتے ہوئے ہمیشہ اس کا شکر گزار رہنا چاہئے جو لوگ کم فہمی یا کج فہمی سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور اس کی حکمتوں کے خلاف شاکی ہوتے ہیں وہ اپنے رب کو پہچانتے بھی نہیں اور ان کا اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ کھرا نہیں ہوتا۔

دوم:۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو اس کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ جسے اللہ کی معیت حاصل ہو اس سے زیادہ خوش قسمت کون ہوتا ہے جس عمل کی وجہ سے انسان کو یہ شرف حاصل ہو، اس عمل کی عظمت اور فضیلت کا کیا کہنا۔

سوم:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دل میں یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر اسے یاد کرتے ہیں۔ یعنی یہ ذکر قلبی کا ثمرہ ہے۔ گویا یہ حصہ

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ.

کی تشریح ہے۔

چہارم:۔ جو شخص کسی جماعت میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس

جماعت سے بہتر جماعت یعنی ملائکہ مقربین میں اس کو یاد کرتا ہے یعنی حلقہ ذکر کا یہ فائدہ ہے کہ فرشتوں کی جماعت میں ذاکرین کا چرچا ہوتا ہے۔

ذکر کرنے والے زندہ اور نہ کرنے والے مردہ ہیں

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ. (متفق علیہ)

''حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر الٰہی نہیں کرتا، ان کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔''

فائدہ:

حدیث کی عبارت میں لف ونشر مرتب ہے یعنی جو ذکر کرتا ہے وہ زندہ آدمی کی مانند ہے اور جو ذکر نہیں کرتا وہ مردہ کی مانند ہے۔ زندہ اور مردہ میں فرق کسی پر مخفی نہیں۔ زندہ آدمی اپنی بقا اور نشوونما کے لئے ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ جسمانی صحت، ذہنی اور عقلی قوتوں کو نور علم سے آراستہ کرتا ہے اور روحانی صحت کے لئے احکام الٰہی کی تعمیل کرتا ہے اور اپنی ذات اور صلاحیتوں کو معاشرے کی بہتری کے کاموں پر لگاتا ہے گویا وہ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے ایک مفید فرد ہوتا ہے۔

اسی طرح جو شخص ذکر الٰہی کرتا ہے وہ ظاہر کے اعتبار سے اپنے اعضاء اور قوتوں کو اطاعت الٰہی میں صرف کرتا ہے اور اپنے باطن کو نور معرفت سے منور کرتا ہے اور دوسروں کے لئے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ بنتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں مردہ آدمی نہ اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کا مالک ہوتا ہے نہ اس کو اس کا احساس یا ادراک ہوتا ہے نہ دوسروں کے لئے کسی درجے میں کارآمد ہوتا ہے۔ اس کا مقام زیرِ زمین ہوتا ہے اور اسے آنکھوں سے اوجھل کر کے زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح جو شخص ذکرِ الٰہی نہیں کرتا وہ نہ اپنا خیر خواہ ہے نہ دوسروں کو اس سے کوئی حقیقی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ یہ تو مردے سے بدتر ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کا دشمن بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے گمراہی کا نمونہ بن جاتا ہے وہ بظاہر زندہ نظر آتا ہے۔ مگر اس کا قلب اور اس کی روح مردہ ہوتی ہے اور یہ جسم اس کی روح کا مدفن ہوتا ہے۔

اہلِ ذکر کو فرشتے ڈھونڈتے پھرتے ہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی مَلَائِکَةً یَّطُوْفُوْنَ فِی الطَّرِیْقِ یَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّکْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَّذْکُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِکُمْ فَیَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا قَالَ فَیَسْئَلُهُمْ رَبُّهُمْ مَا یَقُوْلُ عِبَادِیْ قَالَ یَقُوْلُوْنَ یُسَبِّحُوْنَکَ وَیُکَبِّرُوْنَکَ وَیَحْمِدُوْنَکَ وَیُمَجِّدُوْنَکَ فَیَقُوْلُ هَلْ رَأَوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَأَوْکَ فَیَقُوْلُ کَیْفَ لَوْ

رَاٰنِیْ قَالَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْکَ کَانُوْا اَشَدَّ لَکَ عِبَادَةً وَاَشَدَّ لَکَ تَمْجِیْدًا وَاَشَدَّ لَکَ تَحْمِیْدًا وَاَکْثَرَ تَسْبِیْحًا فَیَقُوْلُ فَمَاذَا یَسْئَلُوْنَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ یَسْئَلُوْنَ الْجَنَّةَ قَالَ یَقُوْلُ هَلْ رَاَوْهَا قَالَ یَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ یَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ یَقُوْلُوْنَ کَیْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَاَوْهَا کَانُوْا اَشَدَّ عَلَیْهَا حِرْصًا وَ اَشَدَّ بِهَا طَلَبًا وَ اَعْظَمَ فِیْهَا رَغْبَةً قَالَ اَفَهُمْ یَتَعَوَّذُوْنَ قَالُوْا یَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ النَّارِ قَالَ یَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ فَیَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَوْهَا . فَیَقُوْلُ یَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْهَا کَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَ اَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَیَقُوْلُ فَاُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ یَقُوْلُ مَلَکٌ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ فِیْهِمْ فُلَانٌ لَیْسَ مِنْهُمْ اِلَّا جَآءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَآءُ لَایَشْقٰی بِهِمْ جَلِیْسُهُمْ. (متفق علیه)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ روای ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ آبادیوں میں گھومتے ہیں۔ اہل ذکر کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ اگر کسی کو کوئی ایسی جماعت مل جاتی ہے جو مل کر ذکر کر رہی ہو تو وہ فرشتہ دوسرے ساتھیوں کو آواز دیتا ہے کہ ادھر آؤ ہمارا مطلوب و مقصود یہاں ہے۔ پھر وہ فرشتے ان ذاکرین پر اپنے پروں سے آسمان دنیا تک سایہ کر لیتے ہیں۔ ان کا رب ان

فرشتوں سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ خود جانتا ہے) کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں فرشتے جواب دیتے ہیں کہ تیری حمد وثنا اور تسبیح وتقدیس کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے۔ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے جواب دیتے ہیں بخدا انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ جواب ملتا ہے: الٰہی! وہ تیری عبادت اور حمد وثنا میں اپنی جان کھپا دیتے۔ سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا مانگتے ہیں؟ جواب دیتے ہیں وہ جنت مانگتے ہیں۔ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہوئی ہے؟ بخدا ہرگز نہیں۔ اگر انہوں نے جنت کو دیکھ لیا ہوتا تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ اس کی طلب میں بہت زیادہ شدت پیدا ہوجاتی اور رغبت بڑھ جاتی۔ تو کیا وہ کسی چیز سے پناہ بھی مانگتے ہیں؟ ہاں! الٰہی وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ کیا انہوں نے جہنم کا نظارہ کیا ہے؟ بخدا ہرگز نہیں۔ اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ وہ جواب دیتے ہیں وہ اس سے سخت ڈرتے اور اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتے۔ اچھا تو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ فلاں آدمی اس جماعت ذاکرین میں سے نہیں یونہی کسی کام سے آیا ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جواب ملتا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم اور بد بخت نہیں رہتا۔"

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

فائدہ:

(۱) فرشتوں کی ایک خاص جماعت صرف اس کام پر مامور ہے کہ ذاکرین کو تلاش کرتے رہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جماعتیں اللہ کو پسند ہیں اتنی پسند کہ ان کی تلاش بڑے اہتمام سے فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت کے ذریعے کرائی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں انعام واکرام سے نوازے، جب یہ اللہ کی پسندیدہ جماعتیں ہیں تو ظاہر ہے کہ مجالس ذکر کا اہتمام کرنا حلقہ ذکر قائم کرنا اللہ کی رضا کا موجب ہوا۔ اور اللہ کی رضا کا مقام خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ:

و رضوان من اللہ اکبر. (توبہ: ۷۲)

تو ''اکبر'' کے حصول کے لئے جو صورت ذریعہ بنے وہ بھی ''اکبر'' ہی ہوئی۔ جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

و لذکر اللہ اکبر. (عنکبوت: ۴۵)

پھر بھی کوئی سادہ لوح مجالس ذکر اور حلقہ ذکر کا ثبوت مانگے یا اس سے چڑ ہو تو اس کی حالت قابل رحم ہے۔

(۲) ذکر الٰہی میں کسی جماعت کی مشغولیت کے متعلق فرشتوں سے ذات باری کا بار بار استفسار یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ فرشتوں کے سامنے بنی آدم کا شرف ظاہر کرے اور فرشتوں کو یہ بتانا بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیکھو یہ وہی آدم ہے جس کی تخلیق کی بات سن کر تم حیرت زدہ ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ

انسان کے لئے وجہ شرف یہ ہے کہ اس کا تعلق اور قلبی تعلق اپنے رب سے پختہ ہو اور ذکر الٰہی دراصل اللہ تعالیٰ سے بندے کے قلبی تعلق پیدا کرنے اور پختہ کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

(۳) مومن کے لئے مناسب یہی ہے کہ طاعت الٰہی اتباع رسول کے لئے اس بات کا انتظار نہ کرے کہ مجھے اس کا کوئی فائدہ نظر آئے یا حقیقت کا مشاہدہ ہو تو اللہ کی بات مانوں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب اور نبی کریم ﷺ پر کامل اعتماد کا تقاضا یہی ہے کہ اطاعت برائے اطاعت ہو کیونکہ اللہ و رسول اس کے مستحق ہیں اور بندہ ہونے کی وجہ سے اس کا یہ فرض ہے۔

(۴) پورے خلوص کے ساتھ اگر انسان کے قلب کا رخ اللہ کی طرف ہو جائے اور اس کا جھکاؤ اللہ کے سامنے ہو تو اس کی رحمت امڈ کے آتی ہے اور مغفرت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔

(۵) مجالس ذکر میں محض بیٹھنا ہی اللہ کی رحمتوں کے حصول کا موجب ہے تو مجلس ذکر میں بیٹھ کر محبت اور خلوص سے ذکر الٰہی کرنے کی برکات کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

ذکر کرنے والے کی سعادت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیَ شَفَتَاهُ. (جامع بخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اور میرے ذکر کے لئے اس کے لب حرکت میں آتے ہیں''

فائدہ:

ذاکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت کی بشارت دی ہے۔ معیت کے کئی درجات ہیں، ایک معیت علمی جو اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق سے ہے، اس میں کسی نوع یا جنس کی تخصیص نہیں۔

دوسری معیت انسانوں میں سے خاص بندوں کے ساتھ ہے جو انسانوں کے کسی ایسے عمل کی وجہ سے ہوتی ہے جو اللہ کو بہت پسند ہوتا ہے۔ جیسے

ان اللّٰہ مع الصابرین. ان اللّٰہ مع المحسنین. ان اللّٰہ مع المتَّقِیْنَ.

وغیرہ، اس لئے ذکر الٰہی وہ عمل ہے جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔ اس معیت سے اللہ کی طرف سے توفیق عمل، اعانت، رحمت اور رعایت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر معیت کے ساتھ عبدی فرمانا اور عبد کی اضافت اپنی طرف فرمانا اہل ذکر کے شرف کو ظاہر کرتا ہے۔

اَنَا مَعَ عَبْدِیْ.

میں ایک خصوصیت اور شرف کا بیان ہے۔ بندے تو سب ہیں مگر ''اس کے بندے'' وہی ہیں، جن کے متعلق وہ خود کہے کہ ''یہ میرے بندے ہیں'' اس بندے کی قسمت اور سعادت کا کیا کہنا جسے خالق کائنات ''میرا بندہ'' کہہ کر یاد فرمائے۔ اور اپنی معیت اسے عطا فرمائے۔

اللہ کا ذکر شیطان سے دل کا محافظ ہے

عَنْ اِبْنِ عَبَاسٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ اِبْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَ اِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ. (جامع بخاری)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے، جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یادالٰہی سے غافل ہوتا ہے تو شیطان آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔''

فائدہ:

انسان کے لئے شیطان کے دشمن ہونے میں صرف اس شخص کو شک ہوسکتا ہے جو

وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً. (نساء : ۱۲۲)

پر یقین نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت انسان کو ایک بار نہیں کئی بار مختلف

انداز، اور مختلف عنوانات سے بتلائی ہے، کہیں فرمایا: کہ وہ تمہارا دشمن ہے، کہیں فرمایا: وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، کہیں اس کے ساتھ برتاؤ کرنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا.

(فاطر: ۶)

یعنی تم اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو انسان اپنے دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہے، اب انسان کا عمل دو قسم کا ہو سکتا ہے یا تو اپنی حفاظت کا اہتمام کرے۔ تا کہ انسانی شرف سے محروم نہ ہو یا اپنے آپ ﷺ کو اس کے حوالے کر دے اور

اسفل السافلین.

بن جائے۔ حفاظت کی تدبیر اللہ نے بتا دی کہ میرا ذکر ایک ایسا محفوظ قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں ہو سکتی اس کے مقابلے میں ذکر الٰہی سے غفلت گویا شیطان کے نام دعوت نامہ بھیجنا ہے۔ غفلت کا شکار انسان یوں لگتا ہے جیسے مسلسل پکار رہا ہو آ بیل مجھے مار، انتخاب کرنا انسان کا اپنا کام ہے، چاہے تو اپنی حفاظت کر لے چاہے تو دشمن کی گود میں چلا جائے۔ پھر دشمن کے ہتھیار کی نشاندہی بھی فرما دی کہ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ انسان کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین

ذکر کرنے والوں کی خصوصی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه وَ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالاً

قَالَ رَسُوْلُ صلی اللہ علیہ وسلم لَایَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ. (جامع ترمذی)

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو جماعت اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھتی ہے تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اللہ کی خصوصی رحمت ان پر سایہ کرلیتی ہے۔ ان کے دلوں میں سکون واطمینان نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے (فخر ومباہات) کے طور پر ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔''

ذکر الٰہی کے لئے بیٹھنے سے مراد پوری جمعیت خاطر کے ساتھ ذکر کرنا ہے۔ اس میں ذکر کی مداومت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس طرح حلقہ ذکر قائم کرنے کے چند فوائد بیان ہوئے ہیں۔

اول:۔ ملائکہ جو اہل ذکر کی تلاش میں پھر رہے ہوتے ہیں وہ حلقہ ذکر کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک تو اجتماعی ذکر کی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر ملائکہ کا ہجوم ان برکات میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

دوم:۔ اللہ کی رحمت ایک تو عام ہے مگر اس محبوب مشغلہ کی وجہ سے اللہ کی خصوصی رحمت ذکر کرنے والوں پر سایہ کرلیتی ہے۔

سوم:۔ ذاکرین کو سکون اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ

اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.

کا اعلان ہو چکا ہے اور یہی وہ دولت ہے جس کے لئے انسانیت ترس گئی ہے۔

چہارم:۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں جیسے ہمہ وقت مصروف عبادت مخلوق میں فخر ومباہات کے طور پر اس جماعت کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اکبر الاعمال (ذکر اللہ) میں مصروف ہیں۔

اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اور مقام

عَنْ اَبِیْ سَعِیْد رضی الله تعالیٰ عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَ اَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ اَلذَّاکِرُوْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَالذَّاکِرَاتِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِهٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَ یَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذَّاکِرَ لِلّٰهِ اَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً. (جامع الترمذی)

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون افضل ہے اور کس کا درجہ دوسروں کی نسبت بلند ہے، فرمایا کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مردوں اور عورتوں کا درجہ بلند ہے، عرض کیا گیا کیا اس سے بھی بلند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ فرمایا اگرچہ وہ غازی اپنی تلوار کے ساتھ کفار ومشرکین سے اس شدت کے ساتھ جنگ کرے کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں لت پت ہو جائے۔ پھر بھی خلوص سے اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اس سے بلند ہے۔"

جہاد فی سبیل اللہ نہایت اعلیٰ عمل ہے، اگرچہ یہ صرف ایک وقتی عمل ہے۔ مگر ذکر الٰہی ایسا مجموعہ اعمال ہے جس میں زبان سے اللہ کو یاد کرنا قلب سے اللہ کی طرف متوجہ رہنا اور اعضاء و جوارح سے اللہ کے احکام کی تعمیل اللہ کی رضا کے لئے کرنا سب اعمال شامل ہیں۔ جو انسان کی پوری شخصیت اور زندگی کے ہر شعبے اور انسان کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے ارفع ہونے میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

ذکر کے حلقے جنت کے باغات ہیں

عَنْ اَنَسٍ ﷺ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حَلَقُ الذِّكْرِ. (وجامع الترمذی)

''حضرت انس ﷺ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: جنت کے باغوں کے پاس سے جب تمہارا گزر ہو تو تم بھی ان میں سے میوہ خوری کرو (یعنی اپنا حصہ لے لو) پوچھا گیا جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا ذکر کے حلقے۔''

فائدہ:

حضور اکرم ﷺ نے حلقہ ذکر کو باغ ہی نہیں جنت کے باغ سے تعبیر فرمایا۔ جس میں جنت کے پھل پھول پائے جاتے ہیں۔ اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حلقہ ذکر قائم کرنے کا مقصد اخروی منافع حاصل کرنا ہے۔

شہرت، نمائش اور دینوی مفاد مقصود نہیں ہونے چاہیئے۔

فارتعوا میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حلقہ ذکر وہ باغ جنت ہیں جس میں ذکر الٰہی کا پھل لگتا ہے، تمہارا وہاں سے گزر ہو تو تم بھی اس باغ میں داخل ہو کر اس کے پھل کھاؤ یعنی حلقے میں شامل ہو کر اللہ کا ذکر کرو۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ذکر الٰہی محبوب عمل ہے اسی طرح اہل ذکر کے حلقے میں بیٹھنا بھی مستحسن کام ہے۔

ذکر الٰہی کی فضیلت و اہمیت

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ اَلا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَ اَزْکٰیھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٌ لَکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرِقِ وَخَیْرٌ لَکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُاللّٰہِ (جامع الترمذی)

”حضرت ابودرداء ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کہ میں ایسے کام کے متعلق نہ بتاؤں جو تمہارے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ اور تمہارے پروردگار کے نزدیک اس کا درجہ صدقہ کرنے سے بھی بہتر ہو اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بہتر ہو، جس میں تم دشمن کو قتل کرو اور دشمن تمہاری گردنیں کاٹے۔ عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔“

فائدہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب فرماتے ہیں:۔

اللہ پاک کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل ہے صدقہ، جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں، وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے، اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد ساری عبادت سے اس لئے افضل فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک زبانی ایک قلبی جو زبان سے بھی افضل ہے اور وہ مراقبہ اور دل کی سوچ ہے۔ (فضائل ذکر)

سب سے بہتر آدمی اور سب سے بہتر عمل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ ﷺ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ. فَقَالَ طُوبٰی لِمَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَ حَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ.

(جامع الترمذی)

”حضرت عبداللہ بن بسر ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کون سا آدمی بہتر ہے، فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا تو دنیا سے

اس حال میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو (یہ عمل سب سے افضل ہے)۔''

اعرابی نے دو سوال کیے حضور ﷺ نے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا جسے اللہ کی طرف سے لمبی عمر عطا ہوئی اور اس نے اللہ کی پسند اور اس کی رضا کو ہمیشہ منتہائے مقصود بنائے رکھا تو ایسا شخص لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا آدمی کی زندگی اس حال میں گزرے کہ جب یہاں سے جانے لگے تو زندگی بھر کا محبوب مشغلہ ذکر الٰہی اس کے دل کی گہرائیوں میں رچ بس چکا ہو اور اس کی زبان پر اسی کا تذکرہ ہو، یہ عمل سب سے افضل ہے۔

سب سے زیادہ نافع کلام

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَیْہِ لَا لَہٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَھْیٌ عَنْ مُنْکَرٍ اَوْ ذِکْرُ اللّٰہِ۔ (جامع الترمذی)

''حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا انسان جو بات کرتا ہے اس کے لئے وبال بنتی ہے، سوائے اس بات کے جو کسی کو نیکی کی تلقین کے طور پر کی جائے یا برائی سے روکا جائے یا زبان سے اللہ کا ذکر کیا جائے۔''

فائدہ:

پہلی بات یہ ہے کہ ان کے قویٰ اور صلاحتیں اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں۔ ان سے وہ کام لینا جو منعم کی پسند کا ہو شکر نعمت ہے۔ انہیں بے کار چھوڑ دینا یا اس سے ناپسندیدہ کام لینا کفران نعمت ہے۔

زبان اور قوت گویائی کا صحیح مصرف یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگایا جائے اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک تو شکر نعمت ہوگا۔ دوسرا اپنے بیمار بھائیوں کی خیر خواہی کرنے کا اجر ملے گا۔ اسی طرح اگر زبان سے اس کے الٹ کام لیا۔ برائی کو پھیلایا اور نیک کاموں کا حقارت سے ذکر کر کے بھلائی سے روکا تو دوہرے عذاب کا مستحق ہوگا۔

دوسرا مصرف یہ کہ زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھے۔ مثلاً تلاوتِ قرآن، نبی کریم ﷺ پر درود، تسبیح تہلیل اور اسی قسم کے اذکار میں لگائے رکھے۔ اس سے ایک تو اپنی سیرت کی تعمیر ہوگی، دوسرا اللہ سے تعلق پختہ ہوگا۔

ذکر کے بغیر کلام کی کثرت دل کی سختی کا باعث ہے

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاتُکْثِرُوْا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَاِنَّھَا قَسْوَۃٌ لِلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰہِ اَلْقَلْبُ الْقَاسِیُ.

(جامع الترمذی)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور نبی کریم ﷺ سے

روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام مت کیا کرو۔ کیونکہ ذکر الٰہی کے بغیر کلام کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اللہ سے سب زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو چکا ہو۔"

فائدہ:

باتیں کرنا انسان کی فطرت اور خصوصیت ہے اور زیادہ باتیں کرنا مرض بلکہ ایک مہلک مرض کے لاحق ہو جانے کا سبب ہے، اگر زیادہ باتیں کرنے میں مباح کا لحاظ رکھا تو اتنا ضرور ہے کہ گناہ کے بوجھ سے بچ گیا، مگر نفع تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر وقت کا صحیح فائدہ نہ اٹھانا ایک درجے کا نقصان ہی تو ہے لہٰذا زیادہ باتیں کرنے سے منع فرمایا۔

ایک عمل کو اس سے مستثنیٰ کر دیا اور وہ ہے ذکر الٰہی، یہ جتنا زیادہ کیا جائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کثرت کی حد یہاں ختم ہوتی ہے، اس لئے جتنا زیادہ ذکر الٰہی کیا جائے تھوڑا ہی ہے۔ کیونکہ انسان اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

حضور ﷺ نے زیادہ باتیں کرنے اور لایعنی باتیں بنانے کا نقصان بھی بتا دیا اور یہ آپ کی رحمۃ للعالمینی کا فیض ہے، زیادہ باتیں کرنے سے انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے، جب دل سخت ہو جاتا ہے تو اللہ کا نام اللہ کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اور اگر کہیں بات سننی ہی پڑے تو سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ جب اللہ کی بات نہ سنی نہ مانی تو لمحہ بہ لمحہ اللہ سے دوری بڑھتی جائے گی جو آئندہ کے نقصان اور خسارے کا معاملہ ہے۔

جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اس کا حال

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْهِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰى نَبِیِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَیْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ.(جامع الترمذی)

''حضرت ابوہریرہ ﷛ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس مجلس میں بیٹھ کر انسان نے اللہ کو یاد نہ کیا اور نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا وہ وقت حال اور جگہ اس کے لئے وبال بن جائے گا۔ پھر اللہ چاہے تو اسے عذاب دے۔ چاہے تو معاف کردے۔''

فائدہ:

احباب کی مجلسوں کے دوران اللہ کا ذکر مطلقاً نہیں آیا تو وہ وقت صرف ضائع ہی نہ ہوا بلکہ غفلت اور برائی بن کر انسان کے حصے میں آیا لہٰذا وقت کا صحیح مصرف یہ ہے کہ مجالس میں اللہ کا ذکر ضرور ہو خواہ کسی صورت میں ہو۔

اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے۔ اور اگر ان میں سے کوئی کام نہ کیا تو حساب کے دن اسے حسرت ہوگی کہ ہائے میں کیوں ایسی مجلس میں بیٹھا اور یہ وقت ضائع کر کے کیوں کفرانِ نعمت کے جرم کا مرتکب ہوا۔ مگر اس وقت یہ حسرت اسے کوئی فائدہ نہ دے سکے گی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ کوتاہی معاف فرمادے تو یہ اس کی عین عنایت ہے اور اگر عدل سے کام لے کر سزا دے تو عین انصاف ہے۔ جو

سلوک کرے اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

ذکر اللہ سے خالی مجلس حسرت وندامت کا باعث ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً وَمَنْ اِضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَایَذْکُرُ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی تِرَةً. (سنن ابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہ ﷺ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ایسی مجلس میں بیٹھا جہاں اللہ کا ذکر ہی نہیں ہوا تو یہ عمل اس کے لئے نقصان دہ اور باعث حسرت ہوگا اور جو شخص آرام کے لئے بستر پر یوں لیٹا کہ اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو وہ لیٹنا اس کے لئے سرمایہ حسرت بنے گا۔"

فائدہ:

جب کسی عمل کو دوام کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہو تو کہتے ہیں صبح وشام یہ عمل کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ہمیشہ اور ہر وقت ذکر الٰہی کرتا ہے۔ اس طرح یہاں بیٹھنے اور لیٹنے کے دو محل اور دو حالتوں کا ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر جگہ اور حال میں اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، اگر کسی حال میں بھی یا کسی جگہ اللہ کا ذکر نہ ہوا تو آدمی کے لئے سراسر نقصان ہے جس پر اسے ایک دن حسرت ہوگی۔

اللہ کا ذکر قلب کی صفائی کا باعث ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله تعالیٰ عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذكر اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَقْطَعَ.

(البیهقی)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کی صفائی اور جلا کے لئے تدبیر اور ذریعہ ہوتا ہے اور دلوں کی صفائی تزکیہ اور تجلیہ اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے اور ذکر الٰہی سے بڑھ کر اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والی کوئی چیز نہیں، صحابہ نے عرض کیا۔کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، فرمایا: نہیں خواہ لڑتے لڑتے مجاہد کی تلوار کے ٹکڑے بھی ہو جائیں۔''

فائدہ:

ہر ضرورت کی چیز استعمال سے میلی ہو جایا کرتی ہے۔مگر میل کے دور کرنے کے ذرائع بھی موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کپڑے کا میل دور کرنے کے لئے صابن استعمال ہوتا ہے اور برتن وغیرہ میلے ہو جائیں تو انہیں رگڑا جاتا ہے۔کسی ہتھیار وغیرہ پر میل کی تہیں جم جائیں تو ریتی استعمال کرتے ہیں یا بھٹی پر چڑھاتے

ہیں۔ اسی طرح انسان کے پہلو میں دل بھی کسی ضرورت کے لئے رکھا گیا ہے۔ جس کا اصل کام اپنے پیدا کرنے والے سے محبت کرنا ہے کیونکہ دل کا اصل سرمایہ جذبہ محبت ہے جب انسان کا دل اللہ کی نافرمانی کی طرف مائل ہو جائے تو اس پر غبار آنے لگتا ہے اور اگر مسلسل نافرمانی کو شیوہ ہی بنالیا جائے تو اس پر میل کی تہیں جم جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.

اس میل کو دور کرنے کا ذریعہ اور آلہ اور تدبیر اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ ذکر الٰہی سے جب قلب کا میل دور ہو جاتا ہے تو آئینہ بن جاتا ہے جس میں انوار واسرار الٰہی منعکس ہونے لگتے ہیں اور اللہ کی محبت گھر کر جاتی ہے اور جب محبت الٰہی دل میں جاگزیں ہوگئی تو عذاب الٰہی سے نجات لازماً حاصل ہوئی کیونکہ یہ محبوب ایسا نہیں کہ محب کی لغزشوں سے درگزر نہ کرے اور اس کی محنت کا صلہ استحقاق سے بڑھ کر نہ دے۔

کلمات ذکر جو آپ ﷺ نے تلقین فرمائے

حضور اکرم ﷺ نے جس طرح ذکر کی ترغیب دی اور اس کی تاکید فرمائی اسی طرح ذکر کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ علم ومعرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایان شان نہ ہوتا یا جس سے بجائے حمد وثناء کے معاذ اللہ اس کی تنقیص ہوتی۔

وہ کلمات ذکر جو آپ نے تلقین فرمائے ہیں، اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ وتقدیس اور تحمید وتوحید اور اس کی شان کبریائی وصمدیت کے بیان میں بلاشبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

آگے ہم رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ذکر کر رہے ہیں جن میں کلماتِ ذکر کی تلقین فرمائی گئی ہے اور اس کے فوائد وثمرات بیان ہوئے ہیں۔

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی خاص فضیلت

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:
سب سے افضل ذکر ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔'' (جامع ترمذی)

فائدہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کو افضل ترین کلمہ فرمایا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام صفات کمال کا جامع ہے اور عظمت وکبریائی میں وہ برتر ہے۔ ''لا الٰہ الا اللہ'' کلمہ ایمان ہے اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے نیز اپنے اپنے تجربہ کی بناء پر عرفاء اور صوفیاء کا اس پر گویا اتفاق ہے کہ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر اسی کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ذکر ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے ''لا الٰہ الا اللہ'' اس کے لئے لازما آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش الٰہی تک پہنچے گا۔ بشرطیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔''

(جامع ترمذی)

فائدہ:

اس حدیث میں کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی ایک خاص فضیلت وخصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہِ راست عرش الٰہی تک پہنچتا ہے، اور خاص مقبولیت سے نوازا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے دوسرے کلموں کے مقابلے میں اس کلمہ کی یہ ایک مخصوص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں کہ:

''لا الٰہ الا اللہ'' میں بہت سے خواص ہیں۔ پہلی خاصیت یہ کہ وہ شرک جلی کو ختم کر دیتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک خفی کو بھی ختم کرتا ہے، اور تیسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بندے کے اور معرفت الٰہی کے درمیان حجابات کو سوخت کر کے حصول معرفت وقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔''

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی عظمت

''حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعہ میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعے میں تجھے پکاروں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں، اور ''لا الٰہ الا اللہ'' دوسرے پلڑے میں تو ''لا الٰہ الا اللہ'' کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا۔ '' (شرح السنۃ للبغوی)

فائدہ:

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بناء پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو لا الٰہ الا اللہ بتایا جو افضل الذکر ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی خاص کلمہ کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے ان کو بتایا گیا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری

ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ ہر عام آدمی کو بھی پہنچادی ہے، بہرکیف انبیاء ومرسلین کے لئے بھی کوئی کلمہ ''لاالہ الا اللہ'' سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے اس بے بہا نعمت خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمہ پاک کو اپنا ورد بنایا جائے اور اس کی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

کلمہ توحید کی خاص عظمت وبرکت

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے سو دفعہ کہا ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْـمُـلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' (نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی ستائش ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے) تو وہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو غلط کاریاں محو کردی جائیں گی، اور یہ عمل اس کے لئے اس دن شام تک شیطان کے حملہ سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، اور کسی آدمی کا عمل اس کے عمل سے افضل نہ ہوگا، سوائے اس آدمی کے جس نے اس سے بھی زیادہ عمل کیا ہو۔'' (صحیح بخاری)

تسبیح تحمید، تہلیل اور تکبیر کی فضیلت

حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں۔

”سُبْحَانَ اللّٰہِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ، لَآاِلٰہَ اِلَّا للّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔“

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں

اَفْضَلُ الْکَلَامِ اَرْبَعٌ.

کے بجائے

اَحَبُّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰہ، اَرْبَعٌ.

کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ سب کلموں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے یہ چار کلمے ہیں۔

”حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ ”سبحان اللّٰہ و الحمدللّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر“ کہوں۔“(صحیح مسلم)

فائدہ:

پس جس نے دل کے شعور و یقین کے ساتھ کہا:

سبحان اللّٰہ و الحمدللّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر.

اس نے اللہ کی ساری ثناء وصفت بیان کردی ہے، اس لئے یہ چار کلمے اپنی قدر و قیمت اور عظمت و برکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں، جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے، ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے، اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے اور ان کلمات کے برکات سے نوازے۔ (آمین)

تسبیحات وغیرہ سے گناہوں کا سقوط

"حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گذرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے، آپ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کلمے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے۔" (جامع ترمذی)

فائدہ:

نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں، ارشاد ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (ھود: ۱۱۴)

"یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کردیتی ہیں۔"

احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمال صالحہ کی تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان کلموں کی عظمت وتاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے روزانہ سو دفعہ کہا ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ'' اس کے قصور معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔'' (صحیح بخاری)

فائدہ:

''سبحان اللّٰہ وبحمدہ'' کا مطلب وہی ہے جو ''سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ'' کا ہے یعنی ہر اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ وتقدیس بیان کرنا ہے جو اس کے شایانِ شان ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو کبیرہ درجہ کی نہ ہوں اس لئے کہ بڑے درجہ کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں ''گناہ کبیرہ'' کہا جاتا ہے، ان کی معافی کے لئے توبہ واستغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم

ملائکہ کے لئے منتخب تسبیح

''حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

سے دریافت کیا گیا کہ: کلاموں میں کون سا کلام افضل ہے؟
آپ نے فرمایا: وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے
منتخب فرمایا ہے:
یعنی ''سبحان اللہ وبحمدہ''۔'' (صحیح مسلم)

اس حدیث میں معلوم ہوا کہ فرشتوں کا خاص ذکر یہی ''سبحان اللہ وبحمدہ'' ہے اس حدیث میں اس کلمہ کو سب سے افضل کہا گیا ہے اسی وجہ سے فرشتوں کو کہا گیا ہے کہ وہ اسے ہمیشہ پڑھا کریں اور حضرت سمرہ بن جندب ﷜ کی حدیث میں جو پہلے ذکر کی جاچکی ہے، فرمایا گیا ہے کہ سب سے افضل یہ چار کلمے ہیں۔

سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، لا الٰہ الا اللّٰہ، اللّٰہ اکبر.

اور ایک دوسری حدیث میں:

لا الٰہ الا اللّٰہ.

کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کلمے دوسرے سب کلاموں کے مقابلے میں افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری کلمات

''حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے پھلکے، میزان اعمال میں بڑے
بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے ہیں:۔

''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ''

(صحیح بخاری)

فائدہ:

ان دوکلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، لیکن میزان اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا، شاید بعض لوگوں کے لئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے آلات ہوتے ہیں، جن کو میزان (ترازو یا کانٹا) کہا جاتا ہے، اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے، وہی اس کی میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں بلکہ کیفیات ہیں، لیکن ان کا ہلکا اور بھاری پن تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے، اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلماتِ ذکر کا وزن ہوگا، تلاوت قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا، ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ بعض بہت چھوٹے اور ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔

اس کلمہ

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ.

کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں، اس کی حمد وستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ جنت کا خزانہ ہے

''حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک دن فرمایا: میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں، حضرت ﷺ! ضرور بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے ''لاحول ولاقوۃ الاباللہ'' (جامع بخاری)

فائدہ:

اس کلمہ کے ''خزائن جنت'' میں سے ہونے کا مطلب ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا، اس کے لئے اس کلمہ کے بے بہا اجر وثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا، جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ.

کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کی قوت وطاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے، کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرا ایک مطلب جو اس کے قریب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ گناہ سے باز آنا اور طاعت کا بجالانا اللہ کی مدد وتوفیق کے بغیر بندے سے ممکن نہیں۔

''حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور خزانہ جنت میں سے ہے، وہ یہ ہے کہ ''لاحول ولاقوۃ الا

باللّٰه" جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
یہ بندہ اپنی انانیت سے دستبردار ہو کر میرا تابعدار اور بالکل
فرمانبردار ہو گیا۔"

اس حدیث میں کلمہ لَا حَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کو مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ کے علاوہ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ بھی فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اس کا نزول عرشِ الٰہی سے ہوا ہے۔ واللہ اعلم

بعض مشائخِ طریقت کا ارشاد ہے کہ جس طرح شرک جلی و خفی اور قلب و نفس کی دوسری کدورتیں دور کرنے اور ایمان و معرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمہ

لا الٰه الّا اللّٰه.

خاص اثر کرتا ہے، اسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ

لاحول و لاقوۃ الا باللّٰه.

خاص اثر رکھتا ہے۔ (از معارف الحدیث)

ایک دوسری حدیث میں:

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ستر
بلائیں دور فرمائیں گے جن میں سب سے کم درجہ کی بلاء فقر
ہے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

ذکر میں کیفیت کا اعتبار ہے کمیت کا نہیں:

''ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز فجر پڑھنے کے بعد ان کے پاس سے باہر نکلے، وہ اس وقت اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پھر آپ کچھ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا، واپس تشریف لائے، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: میں جب سے تمہارے پاس سے گیا ہوں کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی طرح پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس سے جانے کے بعد میں نے چار کلمے تین دفعہ کہے ہیں، اگر وہ تمہارے اس پورے وظیفے کے ساتھ تولے جائیں جو تم نے آج صبح سے پڑھا ہے تو ان کا وزن بڑھ جائے گا، وہ کلمے یہ ہیں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ. ''(اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر، اور اس کی ذات پاک کی رضا کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مطابق۔'' (صحیح مسلم)

فائدہ

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ذکر میں کیفیت کا اعتبار ہوتا ہے

،کمیت کا نہیں یعنی وہ تسبیحات وغیرہ جن کے مضامین اعلیٰ اور بہت خوب ہوں اور جنہیں قلب کے حضور واخلاص کے ساتھ پڑھا جائے اگرچہ کم ہوں مگر ان تسبیحات کے مضامین سے افضل ہوں جو ایسی نہ ہوں اگرچہ وہ تعداد میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

☆......☆......☆

سلسلۂ قادریہ میں ذکر کا طریقہ

حضرت والد صاحب دامت فیوضہم کے متوسلین ومعتقدین اکثر ناچیز سے سلسلۂ قادریہ میں ذکر کا طریقہ معلوم کرتے رہتے ہیں، ناچیز ایسے احباب کو ذکر کا طریقۂ کار پر مشتمل وہ پرچہ فراہم کر دیتا جو حضرت والد صاحب دامت فیوضہم کا مرتب فرمودہ تھا، رسالہ ہٰذا کی اشاعت کے موقع پر مناسب معلوم ہوا کہ اس پرچہ کو ''تجلیاتِ ذکر'' کا ضمیمہ بنا دیا جائے، تاکہ عوام الناس بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

(عاصم عبداللہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

صبح کا ذکر

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ، اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ.

فجر کی سنتوں اور فرض نماز کے درمیان اوپر لکھی ہوئی قرآن مجید کی آیت تین سو تیرہ (313) مرتبہ یا پھر شیخ کی بتائی ہوئی تعداد کے مطابق چالیس (40) دن تک پڑھیں ، اور اگر چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے ناغہ ہوجائے تو پھر دوبارہ سے پڑھنا شروع کریں۔ چالیس (40) دن مکمل ہوجانے کے بعد سو (100) مرتبہ روزانہ پڑھتے رہیں۔ اگر کبھی فجر کی سنتوں اور فرض نماز کے درمیان نہ پڑھ سکیں تو فجر کی نماز کے بعد پڑھ لیں۔

پڑھنے کے بعد درج ذیل پانچ دعائیں مانگیں۔

(۱) اے اللہ! اس اسم اعظم کی برکت سے، اس کی طفیل میں مجھے اپنا خاص الخاص مقرب بندہ دونوں جہاں میں بنالیں۔

(۲) اے اللہ! دونوں جہانوں کی تمام بھلائیاں نصیب فرمادیں۔

(۳) اے اللہ! دونوں جہانوں کی تمام برائیوں سے بچالیں۔

(۴) اے اللہ! دونوں جہانوں میں مجھ سے راضی ہوجائیے۔

(۵) اے اللہ! میرے ایمان، اسلام اور احسان کو کامل فرما کر خاتمہ بالخیر فرمادیجیے۔

شام (مغرب کے بعد) کا ذکر

حضرات صوفیائے کرام نے ذکر کو چار تسبیحوں میں تقسیم کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے نزدیک عالم چار ہیں۔

(۱) عالم ناسوت (۲) عالم ملکوت

(۳) عالم جبروت (۴) عالم لاہوت

انہی چاروں کا خیال کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کے ہاں لطائف چھ ہیں۔ پانچ عالم امر کے اور ایک عالم خلق کا، عرش عظیم کے نیچے سارا عالم خلق یعنی مخلوق ہے اور اس کے اوپر عالم امر ہے۔

عالم خلق کی چیزیں یہ ہیں۔ آگ ہوا پانی مٹی

ان کی ترتیب سے لطیفہ نفس کا وجود ہے۔

اور عالم امر کے لطائف یہ ہیں:۔

روح سر قلب خفی اخفیٰ

ذکر انہی چھ لطیفوں میں کیا جاتا ہے صوفیاء کرام نے ان لطائف کے چھ مقامات متعین کئے ہیں اگر ان مقامات میں ذکر کیا جائے تو مفید ہوتا ہے۔

ذکر شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص ہر مرتبہ پوری بسم اللہ کے ساتھ پڑھ کر اس طرح ایصال ثواب کریں۔

''اے اللہ! تیری رضا کے واسطے جو سورۃ اخلاص پڑھی گئی ہے، اسے قبول فرما کر اس کا ثواب حضور نبی کریم ﷺ کو اور آپ کے طفیل میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اور میرے شیخ سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک اس سلسلے میں جتنے بھی مشائخ رحمہم اللہ گزرے ہیں ان سب کو پہنچا دیں۔ اے اللہ! جو تو نے اپنی خاص نظر کرم ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کے قلوب پر ڈالی ہے وہی نظر کرم مجھ عاجز اور گناہ گار بندہ کے قلب پر بھی ڈال دیجئے۔''

اب اس طرح ذکر شروع کریں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفْضَلُ الذِّكْرِ

پہلی تسبیح

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (۱۰۰) مرتبہ

یہ ذکر کی تسبیح ہے جس کو تین لطائف میں ادا کیا جاتا ہے، جن کا تعلق عالم ناسوت سے ہے۔

''لَآ'' کا لفظ لطیفہ روح سے ادا کیا جاتا ہے یعنی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ''لَآ'' لطیفہ روح سے نکل رہا ہے۔ لطیفہ روح کا مقام داہنے پستان سے دو انگشت

نیچے ہے۔

"اِلٰــــہَ" کا لفظ لطیفہ سر سے ادا کیا جاتا ہے یعنی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ "اِلٰہَ" لطیفہ سر سے نکل رہا ہے لطیفہ سر کا مقام وسط سینہ ہے۔

"اِلَّا اللّٰہ"

لطیفہ قلب سے ادا کیا جاتا ہے یعنی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ "اِلَّا الـلّٰـہ" لطیفہ قلب سے نکل رہا ہے، لطیفہ قلب کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے۔ اس تسبیح کو پڑھتے وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں ساری دنیا سے بیزار ہوں ہر ماسوٰی اللہ سے میں نے اپنا تعلق توڑ لیا، اب میرا تعلق کسی شئے سے نہیں، دل سے ہر ماسوٰی اللہ کے خیالات کو پھینک کر صرف اللہ کا خیال کرتا ہوں جب یہ تسبیح پوری ہو جائے تو کہے:

"محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔

اور اس وقت یہ خیال کرے کہ جو ایمان، عقیدہ اور اخلاق آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے لیکر آئے تھے اسی ایمان، عقیدے اور اخلاق پر قائم رہ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں تا کہ وہ راضی ہو جائے۔

دوسری تسبیح

اِلَّا اللّٰہ (۱۰۰) مرتبہ

یہ ذکر کی دوسری تسبیح ہے اور اس کا تعلق عالم ملکوت سے ہے یہ تسبیح لطیفہ نفس سے ادا کی جاتی ہے لطیفہ نفس کا مقام ناف سے دو انگشت نیچے چنے کی دال کے بقدر ہے۔ اس تسبیح کو پڑھتے وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں عالم ناسوت اور اس کے تعلقات سے آزاد ہو کر عالم

ملکوت میں پہنچ گیا ہوں، یہاں میرے ساتھ کوئی گندگی اور دنیوی آلائش نہیں ہے، کیونکہ عالم ناسوت میں دنیاوی تعلقات موجود تھے، اس کی ''لَآ اِلٰـہَ'' سے نفی کردی گئی، اب یہاں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے، اسی وجہ سے نفی چھوڑ کر صرف اثبات پر اکتفا کرتا ہوں۔
جب یہ تسبیح پوری ہو جائے تو کہے

''محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.''

تیسری تسبیح

اَللّٰہ　(۱۰۰) مرتبہ

یہ ذکر کی تیسری تسبیح ہے اور اس کا تعلق عالم جبروت سے ہے، یہ تسبیح لطیفہ خفی سے ادا کی جاتی ہے یعنی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ لفظ ''اَللّٰہ'' لطیفہ خفی سے نکل رہا ہے، لطیفہ خفی کا مقام پیشانی کے وسط میں ہے، اس تسبیح کو پڑھتے وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں عالم ملکوت سے نکل کر عالم جبروت میں پہنچ گیا ہوں، جو صفات باری تعالیٰ کا مقام ہے، گویا بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں مستغرق ہو جاتا ہے، جب یہ تسبیح ختم کرے تو کہے ''جَلَّ شَانُہٗ''۔

چوتھی تسبیح

ھُوْ (۱۰۰) مرتبہ

یہ ذکر کی چوتھی تسبیح ہے اور اس کا تعلق عالم لاہوت سے ہے، یہ تسبیح لطیفہ اخفیٰ سے ادا کی جاتی ہے، لطیفہ اخفیٰ کا مقام سر کا وسط (یعنی سر کا تالو ہے جو بچپن میں نرم ہوتا ہے) اس تسبیح کو پڑھتے وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں اللہ کی ذات میں مستغرق ہو چکا ہوں جب یہ تسبیح ختم کرے تو کہے:۔ ''جَلَّ شَانُہٗ''

ذکر قلبی

"ھُوْ" کی تسبیح ختم کرنے کے بعد ذکر قلبی جس دم کے ساتھ (۱۰۰) مرتبہ پڑھے اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے ملالے، سانس کو سینہ میں بند اور قلب سے "اللہ اللہ" کہے اور تسبیح کا دانہ چلاتا جائے اور اگر سانس پھول جائے تو سانس کو "ھُوْ" کے لفظ سے لطیفہ سر سے باہر نکالے اور لفظ "اللہ" کا سلسلہ جاری رکھنے کی کوشش کرے کہ ایک سانس میں سو (۱۰۰) مرتبہ

"اللہ اللہ"

ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ وہیں سے دوبارہ اسی مذکورہ طریقے کے مطابق سو مرتبہ کی تعداد پوری کرے۔ اس کے علاوہ ہر نماز کے بعد اوپر بیان کردہ طریقہ کے مطابق سو (۱۰۰) مرتبہ:

"اللہ اللہ"

کرے۔ مغرب کے بعد کا ذکر مکمل کرنے کے بعد بھی پانچ دعائیں جو کہ صبح کے ذکر میں لکھی ہیں وہ اب بھی مانگے اور جو چاہے دعا مانگے۔

دوسرا ذکر

اوپر بیان کردہ ذکر کے علاوہ سالک کو چاہئے چوبیس گھنٹے میں جب بھی فرصت ملے تو اطمینان کے ساتھ یہ استغفار اور درود شریف بھی پڑھے۔

☆ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ.

(۱۰۰) مرتبہ

☆ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَدَدَ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَکَ دَائِمًا اَبَدًا.

اوپر لکھے ہوئے درود شریف کو ہر نماز کے بعد (۱۰) مرتبہ پڑھے اور شبِ جمعہ میں (۵۰) مرتبہ پڑھے۔ اس کے علاوہ حسب توفیق قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ نوافل، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین پڑھنے کا اہتمام کرے اور جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھنے کی کوشش کرے۔

نوٹ:۔ سالک کو چاہئے کہ اپنے شب وروز کے اعمال کو سنت کے مطابق ادا کرے، کیونکہ سالک کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب اتباعِ سنت سے ہوتا ہے اور سالک سب سے زیادہ مجاہدہ گناہوں کو چھوڑنے کا کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

دُعا

دُنیا وآخرت کی کامیابی کا زینہ

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذِ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرامی دارالکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

حضور اکرم ﷺ کی مانگی ہوئی ایک اہم دُعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ
وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ
وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ
وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ.

''اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے
اور نکمے پن اور اور سستی و کاہلی سے اور بزدلی
و کنجوسی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے
غالب آجانے سے اور لوگوں کے دباؤ سے۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمدہ علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

دعا بہترین راہ نجات

دعا کی اہمیت، افادیت، حقیقت وتاثیر اور عظمت کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں چند گذارشات ومعروضات پیش کرنا مقصود ہے۔ حضور سرور کونین ﷺ نے جہاں دین کے متعدد شعبوں کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے وہاں دعا کی اہمیت کو بیان فرمایا، ایک حدیث میں دعا کو مخ العبادات (عبادات کا مغز) قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسری حدیث میں سلاح المؤمن (مومن کا ہتھیار) کے طور پر بھی دعا کا استعمال ہوا ہے اور یقیناً دعا ہی وہ واحد ہتھیار ہے جو سخت آزمائش اور مصائب، بالخصوص نفس وشیطان کے مقابلہ میں کارآمد ہوتا ہے جہاں انسان کے تمام اسباب و ذرائع کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ پہاڑوں جیسے مصائب و مشکلات کو حل کرنے کے لیے انسان دنیا کے مادی اسباب کی طرف دوڑ دوڑ کر تھک جاتا ہے اور ناکامی اس کا مقدر بن جاتی ہے بالآخر وہ اس کام کو سہل کرنے سے عاجز وقاصر رہ جاتا ہے وہاں اس کے لیے پیغام سرور وراحت لانے والا ایک واحد علاج

دعا ہی ہوتا ہے جو تمام مصائب میں اس کو کافی ہو جاتا ہے۔ دعا کی اہمیت خود آقائے نامدار ﷺ کے اعمال سے بھی کئی روایات میں ثابت ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو کوئی بھی گھبراہٹ یا پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف دوڑتے تھے۔ تو نماز کے اختتام کے بعد نتیجہ خیز عمل دعا ہی سرفہرست ہوتی تھی۔ بہرحال دعا کے ذریعے بڑے بڑے مصائب کا سدباب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے کہ کس طرح میرا بندہ میرے سامنے عاجزی کر رہا ہے اور اپنی مرادیں مانگ کر میری ربوبیت اور اپنی عبدیت کا اقرار کر رہا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اس طرح بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جب بندہ مجھ سے مانگتا ہے اور دعا کے لیے اپنے ہاتھ میرے سامنے پھیلاتا ہے تو مجھے حیاء آتی ہے کہ میں اپنے اس بندے کو ناامید واپس کروں۔ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ بندہ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، رد نہیں ہوتی بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو اور قبولیت میں جلد بازی سے کام نہ لیا گیا ہو۔ کسی مسلمان بھائی کے نقصان کے لیے دعا نہ کی گئی ہو۔ بس درددل سے کہہ رہا ہوں کہ دعا کا اہتمام ضرور کرو۔ دعا کے باب میں صرف خانہ پری سے کام نہ لو کہ بس جلدی جلدی میں ہاتھ اٹھاؤ اور زبان سے کچھ نہ کہو اور ہاتھ چہرے پر پھیر دو۔ دعا اخلاص، توجہ، عاجزی اور انکساری کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور حدیث میں دعا کے بتائے ہوئے الفاظ سے دعا کرو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی رحمتیں لٹاتا ہے اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے۔ اور آپ کا دست و

بازو بن جاتا ہے۔ لیکن قبولیت دعا کے لیے یہ امر ملحوظ رہے کہ اعمال صحیح ہوں بد اعمالی کرنے والوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ اپنا احتساب کرو دن رات کے اعمال کا جائزہ لو۔ معاشرے میں، اپنے حلقہ احباب میں اور اپنے پاس پڑوس والوں کے ساتھ اپنے برتاؤ کو ٹھیک رکھو۔ معاملات میں خیانت مت کرو۔ پانچ وقت باجماعت نماز کی پابندی کرو۔ پھر دعا مانگو اور دیکھو کہ دعا مانگنے کا کیا لطف ہے اور کس طرح انعامات و احسانات اور رزق کا بند دروازہ کھلتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو آپ کو فرحت و سرور کی نعمت ملنے والی ہے اس کا اندازہ فی الحال آپ نہیں کرسکتے۔

دعا کا مقام اور اس کی عظمت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ"

(جامع الترمذی)

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دعا عین عبادت ہے" اس کے بعد آپ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی "وقال ربکم ادعونی الخ" (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو، میں قبول

کروں گا اور تم کو دوں گا، جو میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی
کریں گے ان کو ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا)۔''

فائدہ:

اصل میں حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''دعا عین عبادت ہے۔''

غالباً حضور ﷺ کے اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے، جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا، اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصول مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذات خود عبادت ہے اور عین عبادت ہے اور اس پہلو سے وہ بندے کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا عین عبادت ہے۔ آگے درج ہونے والی دوسری حدیث میں دعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

دعا عبادت کا مغز ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ. (جامع الترمذی)

"حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔"

فائدہ:

عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے حضور میں خضوع وتذلل اور اپنی بندگی محتاجی کا مظاہرہ، اور دعا کا جزو وکل اور اول وآخر اور ظاہر و باطن یہی ہے، اس لئے دعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔

دُعا سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ شَیْءٌ
اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ. (جامع الترمذی)

"حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔"

فائدہ:

جب یہ معلوم ہو چکا کہ دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہوگئی کہ انسانوں کے اعمال واحوال میں دعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

دعا کی توفیق ملنے والے کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَاسُئِلَ اللهُ شَيْأً يَعْنِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُسْأَلَ الْعَافِيَةَ. (جامع الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندہ اس سے عافیت کی دعا کریں، یعنی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔''

فائدہ:

عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی واخروی اور ظاہری وباطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمال عبدیت ہے، اس لئے عافیت کی دعا اللہ تعالیٰ کو سب دعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔ دوسری بات حدیث میں یہ ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہوگئی اور اللہ سے مانگنا آگیا اس کے لئے رحمت

الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ دعا دراصل ان دعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس یا قالب کہا جاسکتا ہے۔

دعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے، اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے ہی کو باب دعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

دعا نہ مانگنے والوں سے اللہ کی ناراضگی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَسْأَلِ اللهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ. (جامع الترمذی)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔"

فائدہ:

دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑھ جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں بندہ کا سب سے عزیز

اور قیمتی عمل دعا اور سوال ہے۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّسْأَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ انْتِظَارُ الْفَرَجِ. (جامع الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے اس کا فضل مانگو (یعنی دعا کرو کہ وہ فضل وکرم فرمائے) کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور مانگیں! اور فرمایا کہ: (اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید رکھتے ہوئے) اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے (کیونکہ اس میں عاجزانہ اور سائلانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے)''

دعا کی مقبولیت اور نافعیت

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَاءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ فَعَلَیْکُمْ عِبَادَ اللّٰہِ بِالدُّعَاءِ. (جامع الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دعا کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے پس اے خدا کے بندو دعا کا اہتمام کرو۔''

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اسے دور کرنے اور ٹلانے کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

دعا مانگنے والا محروم نہیں کیا جاتا

عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا۔ (جامع الترمذی)

”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارے پروردگار میں حد درجہ حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (کچھ نہ کچھ عطا فرمانے کا فیصلہ ضرور فرماتا ہے)۔“

دعا مومن کا ہتھیار ہے

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یُنْجِیْکُمْ مِنْ عَدُوِّکُمْ

وَيَدُرُّلَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ تَدْعُوْنَ اللّٰهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَاِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواه ابويعلى فى مسنده)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دعا مومن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔''

فائدہ:

دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین وآسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ واختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سائلوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پاسکتا۔ اس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں ''اضطرار'' سے تعبیر کیا گیا وہ دعا کی روح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندورونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کے لئے یا وسعت رزق یا اس قسم کی کسی دوسری عام وخاص حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ وظائف قبول فرماتا ہے، اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان ویقین کی دولت اور دعا کی روح وحقیقت نصیب ہو۔

دعا سے متعلق حضور ﷺ کی ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے دعا کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

دعا یقین اور توجہ کے ساتھ کی جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاہٍ۔ (جامع الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ سے مانگو اور دعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا، اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔“

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ دعا کے وقت دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے، تذبذب اور بے یقینی کے ساتھ جو دعا ہوگی وہ بے جان اور روح

سے خالی ہو گی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَلْیَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَلَا مُکْرِهَ لَهٗ.

(جامع البخاری)

''حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ: ''اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما، اور تو چاہے تو مجھے روزی دے۔'' بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔''

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقیری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے، اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو ایسا کر دے، اس میں استغنا کا شائبہ ہے اور یہ مقام عبدیت اور دعا کے منافی ہے۔ نیز ایسی دعا کبھی جاندار دعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور

مشیت سے کرے گا کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرا لے۔

خوشحالی میں بھی دعا کا اہتمام کیا جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللہُ لَہٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْیُکْثِرِ الدُّعَاءَ فِی الرَّخَاءِ. (جامع الترمذی)

''جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے، تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دعا زیادہ کیا کرے۔''

فائدہ:

یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں، ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی دعا قدرتی طور پر جاندار ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ

بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو ان کی دعا خاص طور پر قبول ہوگی۔

دعا میں عجلت کی ممانعت

دعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے، اور وہ مالک کل اور قادر مطلق ہے، چاہے تو اسی لمحہ دعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلوم وجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلد پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیت دعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسْتَجَابُ لِاَحَدِکُمْ مَا لَمْ یُعَجِّلْ فَیَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ یُسْتَجَبْ لِیْ. (جامع البخاری)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک

کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔"

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے، یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دعا جو وہ بڑے اخلاص واضطرار سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلد قبول نہیں کی جاتی کہ اس دعا کا تسلسل ان کے لئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دعا جلدی قبول کر لی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

قبولیت......دعا کے خاص احوال واوقات

دعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کرنے والے کے تعلق اور اس کی اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" اور "ابتہال" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ان احوال واوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

فرض نمازوں کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فَرِيْضَةً فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

''حضرت عرباض بن ساریہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دعا کرے) تو اس کی دعا قبول ہوگی، اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دعا کرے) تو اس کی دعا بھی قبول ہوگی۔''

فائدہ:

نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو، بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندہ مومن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمت الٰہی خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرے۔

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ.

(جامع الترمذی)

''حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔''

چار مواقع پر دعا قبول ہوتی ہے

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ یُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِیْ اَرْبَعَةِ مَوَاطِنَ عِنْدَ الْتِقَاءِ الصُّفُوْفِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَیْثِ وَعِنْدَ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ وَعِنْدَ رُؤْیَةِ الْکَعْبَةِ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

”حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار موقعے ہیں جن میں دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے: (۱) راہ خدا میں جنگ کے وقت۔ (۲) اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو) (۳) نماز باجماعت کے وقت (۴) اور جب کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو۔“

عَنْ رَبِیْعَةَ بِنِ وَقَّاصٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةُ مَوَاطِنَ لَاتُرَدُّ فِیْھَا دَعْوَةُ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ بَرِیَّةٍ حَیْثُ لَایَرَاہُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰہُ فَیَقُوْمُ وَیُصَلِّیْ وَرَجُلٌ یَکُوْنُ مَعَہٗ فِئَةٌ فَیَفِرُّ عَنْہُ اَصْحَابُہٗ فَیَثْبُتُ وَرَجُلٌ یَقُوْمُ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ۔

(رواہ ابن مندۃ فی مسندہ)

”حضرت ربیعہ بن وقاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین موقعے ایسے ہیں کہ ان میں دعا کی جائے تو

وہ رد نہیں ہوگی (بلکہ لازماً قبول ہی ہوگی) ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل و بیابان میں موجود ہو جہاں خدا کے سوا کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو وہاں وہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے (اور پھر دعا کرے) دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدان جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، مگر وہ (دشمنوں کی فوج کے سامنے) ثابت قدم رہا ہو (اور اس حال میں دعا کرے) تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں (بستر چھوڑ کے) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو (اور پھر دعا کرے، تو ان بندوں کی یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔)''

تہجد کے وقت دعا ضرور قبول ہوتی ہے

عَنْ جَابِرٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَةً لَا یُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللّٰہَ فِیْهَا خَیْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِیَّاهُ وَذَالِکَ کُلَّ لَیْلَةٍ. (جامع مسلم)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ: رات میں ایک خاص وقت ہے جو مومن بندہ اسی وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرمادے گا۔ اور اس میں کسی خاص رات کی خصوصیت نہیں

بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے۔"

فائدہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ایک تفصیلی روایت ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور خود ان کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کا فیصلہ کروں، کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں ہر رات میں قبولیت دعا کے جس خاص وقت کا ذکر کیا گیا ہے وہ رات کا آخری حصہ ہے۔ واللہ اعلم

مندرجہ بالا حدیثوں سے دعا کی قبولیت کے جو خاص احوال و اوقات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) فرض نمازوں کے بعد، (۲) ختم قرآن کے بعد، (۳) اذان اور اقامت کے درمیان، (۴) میدان جہاد میں جنگ کے وقت، (۵) باران رحمت کے نزول کے وقت، (۶) جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، (۷) ایسے جنگل و بیابان میں نماز پڑھ کے جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، (۸) میدان جہاد میں جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، (۹) اور رات کے آخری حصے میں۔

اس کے علاوہ شب قدر میں اور عرفہ کے دن میدان عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت اور سفر حج اور سفر جہاد میں اور بیماری اور مسافری کی حالت میں بھی دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہئے کہ دعا کا مطلب، دعا کے الفاظ اور صرف اس کی صورت نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقت ہے، پودا اسی دانے سے اگتا ہے جس میں مغز ہو۔

دعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم وجہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولتمندی نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے، اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی یا اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم ودانا ہے، یہ بات اس کے علم وحکمت کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو

مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرمادے۔ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا، کبھی تو اس کو وہی عطا فرمادیتا ہے جو دعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرمادیتا ہے، اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کے لئے ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہر حال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی، اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ملتی ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدرِيِّ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مَا مِن مُسلِمٍ يَدعُو بِدَعوَةٍ لَيسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعطَاهُ اللّٰهُ

إِحدَی ثَلَاثٍ إِمَّا يُعَجِّلُ لَهُ دَعوَتَهُ وَإِمَّا أَن يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الآخِرَةِ وَإِمَّا أَن يَصرِفَ عَنهُ مِنَ السُّوءِ مِثلَهَا قَالُوا: إِذًا نُكثِرُ قَالَ: اللّٰهُ أَكثَرُ. (رواہ احمد)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے: یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔''

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے خزانے بے انتہا، غیر محدود اور لا فانی ہیں، اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو

جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا۔

یَالَیْتَهٗ لَمْ یُعَجِّلْ لَهٗ شَیْئٌ مِنْ دُعَائِهٖ.

"اے کاش! میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔"

بددعا کی ممانعت

وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَلَاتَدْعُوْا عَلٰی اَوْلَادِکُمْ لَاتَدْعُوْا عَلٰی اَمْوَالِکُمْ لَاتُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً یُسْأَلُ فِیْهَا عَطَاءً فَیَسْتَجِیْبُ لَکُمْ.. (جامع مسلم)

"ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں اور اپنی اولاد اور اپنے مالوں کے لئے بددعا نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی مقبولیت کی گھڑی میں اللہ جل شانہ سے بددعا کر بیٹھو اور وہ تمہاری بددعا قبول فرمالے۔"

فائدہ:

دعا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دعا سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی عمل نہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ جل شانہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ جل شانہ اس پر غصہ ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو چیز اتنی بڑی ہے اس کے کچھ آداب بھی ہوں گے اور یہ آداب بھی رحمۃ للعالمین ﷺ ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ آپ ﷺ ہی نے بندوں کو اللہ سے جوڑا اور غافلوں کو اللہ سے لو لگانے کی طرف توجہ دلائی، دعا کی فضیلت بتائی، اس کے طریقے سمجھائے، دعا کے الفاظ بتائے اور آداب سکھائے۔

اس حدیث میں ایک خاص نصیحت فرمائی۔ اور وہ یہ کہ دعا ہمیشہ خیر کی کرنی چاہئے۔ دکھ، تکلیف، اور شر اور ضرر کی کبھی دعا نہ مانگے۔ کیسی بھی کوئی تکلیف ہو اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے اور جان و مال کے لئے بددعا کے الفاظ ہرگز زبان سے نہ نکالے۔ خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو اس نصیحت کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ کوسنے، پیٹنے میں ان کی زبان بہت چلتی ہے۔

بات بات میں شوہر کو، بچوں کو، جانوروں کو حتیٰ کہ گھر کی ہر چیز کو اپنی بددعا کا نشانہ بناتی رہتی ہیں۔ جہاں کسی بچہ نے کوئی شرارت کی، کسی کو اللہ مارا بتا دیا، اور کوئی سامنے نہ آیا تو بکری ہی کو کوسنے کا نشانہ بنا دیا۔ مرغی کا ناس کھو دیا، کپڑے کو آگ لگنے کی بددعا دے دی۔ لڑکے کو کہہ دیا کہ تو مر جاتا، بیٹی کو کہہ دیا کہ تیرا برا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ عورتوں کی بے لگام زبان چلتی رہتی ہے اور کوسنے پیٹنے اور بددعاء کا ڈھیر لگا دیتی ہیں اور یہ نہیں سمجھتیں کہ ان میں سے اگر کوئی بددعا اللہ جل شانہ کے یہاں مقبول ہوئی اور کوئی بچہ مر گیا۔ مال کو آگ لگ گئی یا اور کسی طرح کا نقصان ہو گیا تو کیا ہوگا؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مقبولیت کی گھڑی میں بددعا کے الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں اور یہ بددعا قبول ہو جاتی ہے اور جب کسی طرح کا کوئی جانی

نقصان پہنچ جاتا ہے تو رونے اور آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتیں کہ یہ اپنی ہی بددعا کا نتیجہ ہے اب رونے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ سے جو مانگا مل گیا۔ پہلے زبان پر قابو کیوں نہ رکھا۔ بہت سے مرد بھی ایسی جاہلانہ حرکت کرتے ہیں کہ اپنے لئے یا اولاد کے لئے یا کاروبار کے لئے بددعا کے الفاظ زبان سے نکال بیٹھتے ہیں۔ مرد ہوں یا عورت سب کو اس حدیث میں تنبیہ فرمائی کہ اپنے لئے اور اپنی جان و مال کے لئے بددعا نہ کریں۔ جب اللہ جل شانہ سے مانگنا ہی ہے تو مصیبت اور نقصان اور موت کی دعا کیوں مانگیں۔ نفع اور خیر کی دعا کیوں نہ مانگیں اور موت کے بجائے درازیٔ عمر کا سوال کریں۔

موت کی دعا کرنے کی ممانعت

بعض لوگ تکلیف اور مصیبت کے موقع پر موت کی دعا کر گزرتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهُ فَاِنْ كَانَ لَابُدَّ فَاعِلاً فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ. (مشکوٰۃ: ص ۱۳۹)

"تم میں سے کوئی شخص ہرگز کسی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ بس اگر بہت مجبور ہو جائے اور دعا کرنا ہی چاہے تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے موت دے دینا۔"

فائدہ:

بہت سی عورتیں اپنی جہالت سے موت کی بددعا کرنے لگتی ہیں اور اللہ پاک کی شان میں بے ادبی بھی کر دیتی ہیں۔ مثلاً یہاں تک کہہ گزرتی ہیں کہ تو مجھے کیوں نہیں اٹھالیتا، تیرے یہاں میرے لئے دوزخ میں بھی جگہ نہیں ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، بددعا اور کوسنا پیٹنا بھی آفات لسان میں داخل ہے۔

نہایت جامع دعاء کی تلقین

اللہ جل شانہ نفع بھی دے سکتا ہے اور نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ موت بھی دے سکتا ہے اور زندگی بھی۔ جب قادر مطلق سے مانگنا ہے تو بدحالی اور ضرر اور شر کی دعا کیوں مانگیں۔ اس سے ہمیشہ خیر ہی کی دعا مانگنا لازم ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی بیماری پرسی کے لئے تشریف لے گئے جو بہت کمزور ہو چکے تھے اور کمزوری کے باعث چوزے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ان کا حال دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی دعا کرتے رہے ہو یا کس بات کا سوال کرتے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں! میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! مجھے آپ آخرت میں جو سزا دینے والے ہیں وہ سزا ابھی مجھے دنیا میں دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! تمہیں اس (عذاب کے سہنے) کی طاقت نہیں ہے۔ تم نے یہ دعا کیوں نہ کی کہ:

اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ

حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

"اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔ (یعنی دونوں جہاں میں اچھی حالت میں رکھ) اور عذاب دوزخ سے بچا۔"

اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان صاحب نے یہی دعا کی تو اللہ جل شانہ نے ان کو شفا دے دی۔

فائدہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا سوچ سمجھ کر مانگنی چاہئے اور دکھ تکلیف کی کبھی دعا نہ مانگے اور اللہ سے ہمیشہ خیر کا سوال کرے۔

جن صحابی کا ابھی اوپر واقعہ بیان ہوا ان کو حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

یہ دعا بہت جامع ہے، اس میں دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کا سوال آجاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔ (جامع بخاری)

قرآن مجید میں بھی اس دعا کی ترغیب آئی ہے۔ ہمیں بھی اکثر یہ دعا مانگنی چاہئے۔ حضور اقدس ﷺ کو جامع دعائیں پسند تھیں۔ جامع سے مراد وہ دعا ہے جس میں دنیا و آخرت کی سب حاجتوں یا بہت سی حاجتوں کا سوال ہو جائے۔ اس میں الفاظ کم ہوتے ہیں اور معانی کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ان ہی جامع

دعاؤں میں عافیت کی دعا بھی ہے۔

اللہ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ منبر پر (ایک مرتبہ) تشریف لے گئے۔ پھر (اس وقت کے بعض ظاہری و باطنی حالات وکیفیات کی وجہ سے) رونے لگے۔ اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! اللہ جل شانہ سے معافی کا اور عافیت کا سوال کرو، کیونکہ کسی شخص کو دولت ایمان کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ملی۔ (جامع ترمذی)

عافیت بہت جامع لفظ ہے۔ صحت، تندرستی، سلامتی، آرام، چین، سکون، اطمینان ان سب کو شامل ہے۔ عافیت کی دعا بہت زیادہ کرنی چاہیے۔

دنیا وآخرت میں عافیت نصیب ہونے کی دعا کیا کریں۔ اگر یہ الفاظ یاد کر لیں تو بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ الْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ.

"اے اللہ! میں آپ سے عافیت اور معافی کا سوال کرتا ہوں دنیا اور آخرت میں۔"

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

لَایَسْئَلُ اللّٰہَ عَبْدٌ شَیْئًا اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَسْئَلَ الْعَافِیَةَ. (مستدرک حاکم)

''اللہ جل شانہ سے کسی بندہ نے کوئی سوال ایسا نہ کیا جو اللہ کے نزدیک عافیت کے سوال سے زیادہ محبوب ہو۔''

چار چیزوں سے حفاظت کی دعا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله تعالىٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. (جامع بخاری)

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو، بلاؤں کی سختی سے اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کی خوشی سے۔''

فائدہ:

اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے لیکن فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی برائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں سوچی جاسکتی جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے۔

جَهْدِ الْبَلَاءِ. ''کسی بلا کی مشقت اور سختی۔''

بلا ہر اس حالت کا نام ہے جو انسان کے لئے باعث تکلیف اور موجب رنج والم ہو اور جس میں اس کی آزمائش ہو، یہ دنیوی بھی ہوسکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہوسکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی۔

الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب وتکالیف اور آفات وبلیات کو حاوی ہے

،اس کے بعد دوسری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے، وہ ہے۔

وَدَرَکِ الشَّقَاءِ. ''بدبختی کا لاحق ہونا''

اور تیسری چیز ہے۔

وَسُوءِ الْقَضَاءِ . ''بری تقدیر''

ان دونوں کی جامعیت ظاہر ہے نیز جس بندے کو ہر نوع کی بدبختی سے اور بری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور تلقین کی گئی ہے۔ وہ ہے۔

وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ.

''کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا''

بلاشبہ دشمنوں کی شماتت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف و اذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَکِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ.

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بدبختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے اور ان کی طعنہ زنی سے۔''

آٹھ چیزوں سے پناہ کی دعا

عَنْ اَنَسٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ كَانَ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلْعَ الدِّیْنِ وَغَلَبَةِ الدَّجَّالِ. (جامع البخاری)

''حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔'' اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ الخ ۔'' (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی اور بزدلی سے اور بخیلی و کنجوسی اور قرضہ کے بار سے اور لوگوں کے دباؤ سے۔''

فائدہ:

اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے ان میں سے چار فکر و غم، قرضہ کا بار، اور مخالفین کا غلبہ ایسی چیزیں ہیں جو حساس و صاحب شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوت کار اور صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کنجوسی اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں، جن کی وجہ سے آدمی وہ جرأت مندانہ اقدامات اور محنت و قربانی والے وہ اعمال نہیں کرسکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں

کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز و فلاح اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے اور اپنے عمل سے امت کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی مانگی ہوئی چند اور دعائیں

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ. اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَآءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَ بَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. (جامع البخاری)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔

” اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْكَسَلِ الخ.“

”اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے، کاہلی سے، اور انتہائی بڑھاپے سے (جو آدمی کو بالکل ہی از کار رفتہ کردے) اور قرضہ کے بوجھ سے اور ہر گناہ سے، اے میرے

اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ
کے فتنے سے اور فتنہ قبر سے، اور عذاب قبر سے، اور دولت
وثروت کے فتنہ کے شر سے، اور مفلسی ومحتاجی کے فتنہ کے شر
سے، اور فتنہ دجال کے شر سے۔ اے میرے اللہ، میرے
گناہوں کے اثرات دھودے اولے اور برف کے پانی سے اور
میرے دل کو (گندے اعمال واخلاق کی گندگیوں سے) اس
طرح پاک صاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے
صاف کیا جاتا ہے اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان
اتنی دوری پیدا کردے جتنی دوری تو نے مشرق ومغرب کے
درمیان کردی ہے۔"

فائدہ:

اس دعا میں علاوہ اور چیزوں کے "ھرم" یعنی انتہائی بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عمر کی اس حد تک درازی کہ کہ ہوش وحواس صحیح سالم رہیں اور آخرت کی کمائی کا سلسلہ جاری رہے، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن ایسا بڑھاپا جو بالکل ہی ازکار رفتہ کردے جس کو قرآن پاک میں "اذل العمر" فرمایا گیا ہے، ایسی ہی چیز ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جائے "ھرم" بڑھاپے کا وہی درجہ ہے۔

اس دعا میں "عذاب نار" کے ساتھ فتنہ نار سے اور عذابِ قبر کے ساتھ فتنہ قبر سے بھی پناہ مانگی گئی۔ عذاب نار سے مراد بظاہر دوزخ کا وہ عذاب ہے جو ان

دوزخیوں کو ہوگا جو کفر وشرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح عذابِ قبر سے مراد بظاہر قبر کا وہ عذاب ہے جو اسی طرح کے بڑے مجرموں کو قبر میں ہوگا۔ لیکن جو ان سے کم درجہ کے مجرم ہیں، ان پر بڑے مجرمین والا وہ سخت عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا لیکن دوزخ اور قبر کی کچھ تکلیفوں سے ان لوگوں کو بھی گزرنا پڑے گا اور بس یہی سزا ان کے لئے کافی ہوگی۔ اس عاجز کے نزدیک فتنہ نار اور فتنہ قبر سے یہی سزا مراد ہے اور رسول اللہ ﷺ نے عذاب نار اور عذاب قبر کے ساتھ اس فتنہ قبر سے بھی پناہ چاہی اور اپنے عمل سے ہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی ہے۔ دجال کا فتنہ بھی ان عظیم ترین فتنوں میں سے ہے جس سے رسول اللہ ﷺ بکثرت پناہ مانگتے تھے، اور اہل ایمان کو اس کی تلقین فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دجال اکبر کے فتنہ سے (جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے) اور ہر دجالی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مرتے دم تک ایمان واسلام پر ثابت قدم رکھے۔

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے، اور اس کے ساتھ فقر ومحتاجی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ دولت وثروت بذات خود کوئی بری چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ: ''عثمان رضی اللہ عنہ اس کے بعد جیسے بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا، ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا مَرَّتَيْنِ.

اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی اور فقرا اور اہل فقر کے بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ لیکن اگر کوئی بدقسمتی سے دولت مندی و خوش حالی میں تکبر و غرور کرے اور مال و دولت کے صحیح استعمال کی اسے توفیق نہ ملے تو پھر یہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اسی طرح اگر فقر و محتاجی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی نافرمانی کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَادَ الْفَقْرِ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا.

”محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے۔“

اس دعا کے آخر میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے۔ وہ یہی ہے اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

اس دعا کے آخر میں گناہوں کے اثرات دھونے، دل کی صفائی کی اور گناہوں اور بندے کے درمیان مشرق و مغرب کی دوری پیدا کئے جانے کی جو دعا کی گئی ہے وہ اگرچہ بظاہر مثبت دعاؤں میں سے ہے لیکن غور کیا جائے تو وہ بھی ایک طرح کی سلبی دعا ہے اور گویا استعاذہ ہی ہے۔

عَنْ زَيْدِ بن اَرْقَمِ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ

مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَايَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَايَخْشَعُ وَ مِنْ نَفْسٍ لَاتَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَايُسْتَجَابُ لَهَا.

(جامع مسلم)

"زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ الخ..

اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں، کم ہمتی سے اور سستی وکاہلی، اور بزدلی سے اور بخیلی و کنجوسی سے، اور انتہائی درجہ کے بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے، اے میرے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرمادے اور اس کا تزکیہ فرما کے اس کو مصفیٰ بنادے، تو ہی سب سے اچھا تزکیہ فرمانے والا، تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع مند نہ ہو، اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور ایسے (ہوسناک) نفس سے جس کو سیری نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔"

فائدہ:

علم غیر نافع، قلب غیر خاشع اور ہوس ناک نفس جس کی ہوسناکی ختم نہ ہو،

اور وہ دعا جس کی اللہ کے ہاں سماعت نہ ہو۔ ان چاروں چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ علم نافع عطا فرمائے، قلب کو خشوع کی صفت مرحمت فرمائے، نفس کو ہوسنا کی سے پاک فرما کر اس کو قناعت سے آراستہ فرمائے۔ اور دعاؤں کو قبولیت سے نوازے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَائَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ. (جامع المسلم)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ الخ...

اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمتوں کے زائل ہوجانے سے اور تیری بخشی ہوئی عافیت کے چلے جانے سے، اور تیرے عذاب کے ناگہانی آجانے سے، اور ہر قسم کی ناراضگی اور ناخوشی سے۔“

فائدہ:

رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے بلکہ اس سلسلہ کی ساری ہی دعاؤں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبوت و رسالت بلکہ مقام محبوبیت پر بھی فائز ہونے کے باوجود خود کو اللہ کی حفاظت و پناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے۔ صحیح کہا ہے کسی نے

"قربیاں راپیش بود حیرانی"

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ. (رواہ ابداؤد)

"حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شقاق یعنی آپس کے سخت اختلاف سے، اور نفاق سے اور برے اخلاق سے"

فائدہ:

"شقاق" اس شدید اختلاف کو کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جائیں اور ان کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر و باطن کا فرق، یہ اعتقادی نفاق کے علاوہ عملی زندگی میں منافقانہ رویہ کو بھی شامل ہے، یہ تینوں چیزیں جن سے اس دعا میں اللہ کی پناہ چاہی گئی ہے (یعنی شقاق و نفاق اور برے اخلاق) آدمی کے دین کو بلکہ اس کے دنیا کو بھی برباد کر دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ معصوم اور قطعاً محفوظ تھے، لیکن اس کے باوجود ان مہلکات کی ہلاکت خیزی کی وجہ سے ان سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی اتنی فکر کریں جتنی ایک مومن کو ہونی چاہئے اور ہمیشہ ان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

اب مختلف مسائل و مصائب کو حل کرنے کے لیے ذخیرۂ احادیث نبوی

سے کچھ دعائیں ذکر کی جارہی ہیں۔

فکر اور پریشانی کے وقت کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو زبان مبارک پر یہی کلمات جاری ہوتے۔

لَا اِلٰـــهَ اللهُ الْـعَظِيْمُ الْـحَلِـيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْـعَـظِيْمُ لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّموَاتِ وَرَبُّ الْأَرضِ وَرَبُّ الْعَرشِ الْكَرِيمِ. (صحيح بخارى)

"کوئی مالک نہیں اللہ کے سوا، وہ بڑی عظمت والا اور حلیم ہے، کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا وہ رب العرش العظیم ہے، کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ رب السماوات والارض اور رب العرش الکریم ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ کی دعا یہ ہوتی تھی:

يَـا حَيُّ يَـا قَيُّوْمُ بِـرَحْـمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

"اے حی وقیوم! بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں"۔

اور دوسروں سے فرماتے:

اَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (جامع ترمذی)

یعنی یا ذا الجلال والاکرام سے چمٹے رہو (یعنی اس کلمہ کے

ذریعے اللہ سے استغاثہ اور فریاد کرتے رہو)۔

مصائب ومشکلات کے وقت کی دعائیں

یہ دنیا چوں کہ دار الحزن والھم ہے اس میں رہ کر پریشانیوں کا سامنا کرنا ایک لابدی امر ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی یہ تصور کرے کہ مجھ پر مصائب وپریشانیاں نہیں آئیں گی وہ آدمی اس دنیا کی حقیقت سے بے خبر اور ناآشنا ہے بہر حال مشقتوں سے واسطہ ضرور پڑے گا۔کبھی کبھی تو بڑے بڑے مصائب اور مشکلات اور امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے۔حقیقت میں ایمان والوں کی تربیت مقصد ہوتی ہے اور مصائب وامتحانات ان کے لیے انابت الی اللہ اور تعلق مع اللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں،رسول اقدس ﷺ نے مشکل کے ایسے مواقع میں کچھ دعاؤں کی تعلیم فرمائی ہے جو کہ مصائب ومشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قرب خداوندی کا ذریعہ بھی،ان میں سے چند دعاؤں کا ذکر یہاں پر کیا جارہا ہے۔

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام جب سمندر کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں پہنچ گئے تھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا وپکار یہ تھی''۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک اور مقدس ہے (تیری طرف سے کوئی ظلم وزیادتی نہیں) میں ہی ظالم اور پاپی ہوں''۔

جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول ہی فرمائے گا۔ (جامعہ ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب کوئی بھاری اور مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

''ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے''۔

فائدہ:

یہ قرآن کریم کا خاص کلمہ ہے کہ مصائب و مشکلات اور آزمائش کے کڑے وقت میں ایک بہترین ہتھیار ہے۔ پس ہر بندے کی زبان پر مصائب کے وقت یہی کلمہ ہونا چاہیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جو بندہ کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور اللہ کے حضور میں اس دعا سے عرض پیش کرے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اِكْفِنِىْ كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنَ شِئْتَ.

''اے اللہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کے مالک میری مہمات و مشکلات حل کرنے کے لیے تو کافی ہو جا اور حل کر دے تو جس طرح چاہے اور جہاں سے چاہے''.

تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل کر کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرمائیں گے۔(مکارم الاخلاق للخرائطی)

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری کو (جن کا نام ابوامامہ تھا) آپ نے مسجد میں بیٹھے دیکھا۔آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا بات ہے تم اس وقت جب کہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے' مسجد میں بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسا دعائی کلمہ بتا دوں جس کے ذریعے دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں ساری فکروں سے نجات دے دے اور تمہارے قرض بھی ادا کرا دے۔ابوامامہ نے کہا حضور ﷺ ضرور بتا دیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم صبح و شام اللہ کے حضور میں اس طرح سے عرض کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ.

''اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور نکمے پن اور سستی و کاہلی سے اور بزدلی و کنجوسی سے اور پناہ مانگتا

ہوں قرضے کے بار کے غالب آجانے سے اور لوگوں کے دباؤں''۔

ابوامامہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا اور صبح و شام یہ دعا کرنے کا معمول بنایا تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہو گئیں اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

فائدہ:

اوپر ذکر کردہ تمام دعاؤں کو ان کے مطلوبہ فائدے کے حصول کے لیے پڑھنے کا معمول بنایا جائے تو انشاء اللہ ضروری فائدہ حاصل ہوگا اور مطلوب و مراد حاصل ہوگی۔

دل، زبان، کان، نظر کی حفاظت کی دعا

عن شكل بن حميد رضي الله تعالىٰ عنه قال قلت يا نبي الله علمني تعوذا أتعوذ به فأخذ بكفي وقال قل اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ.

(جامع الترمذی)

''شکل بن حمید ﷺ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے کوئی تعوذ تعلیم فرما دیجئے (یعنی کوئی ایسی دعا بتا دیجئے) جس کے ذریعہ میں اللہ سے پناہ و حفاظت طلب کیا کروں؟ آپ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں تھام کر فرمایا: کہو''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ الخ۔(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے قلب کے شر سے، اور اپنے مادہ شہوت کے شر سے)"

فائدہ:

سمع وبصر اور زبان وقلب اور اسی طرح جنسی خواہش کا شر یہ ہے کہ یہ چیزیں احکام خداوندی کے خلاف استعمال ہوں، جس کا انجام اللہ کا غضب اور اس کا عذاب ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اس کی پناہ مانگی جائے، وہی اگر بچائے گا تو بچ سکے گا ورنہ مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

بھوک، افلاس اور خیانت سے حفاظت کی دعا

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم كان يقول: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِیْعُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ. (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوْعِ ۔ الخ ۔(اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں بھوک اور فاقہ سے وہ بڑی تکلیف دہ رفیق

خواب ہے اور خیانت کے جرم سے وہ بہت بری ہمراز ہے۔"

فائدہ:

جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے، اسی لحاظ سے بھوک کو "رفیق خواب" (یعنی بستر کا ساتھی) کہا گیا ہے اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے ہی کو معلوم ہوتا ہے، اس لئے خیانت کو "بطانۃ" (ہمراز) کہا گیا ہے۔

بھوک اور خیانت جیسی چیزوں سے رسول اللہ ﷺ کا پناہ مانگنا کمال عبدیت کا وہ آخری اور انتہائی مقام ہے جو بلاشبہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے، اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔

نفرت آمیز بیماریوں سے حفاظت کی دعا

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَ الْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَ مِنْ سَیِّئِی الْاَسْقَامِ. (رواہ ابوداؤد)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ الخ (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص، جذام اور پاگل پن سے اور سب خراب بیماریوں سے)۔"

فائدہ:

برص، جذام، جنون اور اس طرح کی وہ سب بیماریاں جس کی وجہ سے لوگ مریض سے نفرت اور گھن کریں اور جن کی وجہ سے آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ بلاشبہ ان سے ہر آدمی کو پناہ مانگنی چاہیے، لیکن ہلکی اور معمولی قسم کی بیماریاں بعض پہلوؤں سے یقیناً خدا کی رحمت ہوتی ہیں۔

ناگہانی وحادثاتی موت سے پناہ کی دعا

عن ابی الیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یدعوا" اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَدْمِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَمِنَ الْغَرْقِ وَالْحَرْقِ وَالْھَرَمِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ یَتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِیْغًا.

(رواہ ابوداؤد)

''حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ الخ... (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کے) ڈھے جانے، اور کسی بلندی کے اوپر سے گر پڑنے سے، اور دریا وغیرہ میں ڈوب جانے سے، اور آگ میں جل جانے سے، اور انتہائی

بڑھاپے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ موت کے
وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کردے، اور تیری پناہ چاہتا
ہوں اس سے کہ میں میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں،
اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے ڈر سے
مجھے موت آئے۔"

فائدہ:

کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کے، یا آگ میں جل کر، یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں مفاجاتی اور ناگہانی موت کی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدید ایمانی اور توبہ واستغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے) اس لئے ایک مومن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنا چاہیے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہیے کہ میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے علی ہذا اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گڑ بڑا سکے، اور گمراہ کر سکے۔ خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دارومدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دعا میں پناہ مانگی گئی ہے، دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے، اور ان کو شہید قرار دیا گیا ہے، ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔

اپنی بشری کمزوری کے لحاظ سے موت کی ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے لیکن جب تقدیر الٰہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آجائے تو ارحم الراحمین کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس مفاجاتی موت ہی کی وجہ سے اس کو "اعزازی شہادت" کا مقام عطا فرمائے گا۔ اور اگر عقائد و اعمال کے حساب سے کچھ بھی گنجائش ہوگی، تو یقیناً رب کریم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔ "انه غفور رحیم"

بُرے اخلاق و اعمال سے حفاظت کی دعا

عن قطبه بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ.(جامع ترمذی)

"قطبہ بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے۔"

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت کان رسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ . (جامع المسلم)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ان اعمال کے شر سے جو میں نے کئے ہیں اور ان اعمال کے شر سے جو میں نے نہیں کئے۔“

فائدہ:

کسی برے عمل کا سرزد ہو جانا اور اسی طرح کسی اچھے عمل کا فوت ہو جانا، دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے شر سے ہم جیسے عامی بھی پناہ مانگتے ہیں، لیکن عارفین اچھے سے اچھے عمل کرنے، اور برے اور گندے اعمال سے دامن بچانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے اندر اس کی وجہ سے عجب و غرور اور نیکی و پاکدامنی کا خیال نہ پیدا ہو جائے (جو اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے) اس لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے شر اور برے اعمال کے ترک کے شر سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ سچ ہے:

حسنات الابرار سیئات المقربین.

”نیکوکاروں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔“

بیماری اور بُرے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما کان رسول اللّٰہ

صلی اللّٰہ علیہ و سلم یعوذ الحسن و الحسین یقول أُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَھَامَّۃٍ وَ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ ویقول ھکذا کان إبراھیم یعوّذ إسحق و إسماعیل. (جامع الترمذی)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں نواسوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ پر دم کیا کرتے تھے (یہ کلمات پڑھ کردم فرماتے تھے) أُعِیْذُ بِکَلِمَاۃِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَھَامَّۃٍ وَ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ. (میں تم کو اللہ کے پورے پورے کلموں کی پناہ میں دیتا ہوں ، ہر شیطان کے اثر سے اور ڈسنے والے ہر زہریلے کیڑے سے ، اور لگنے والی ہر نظر بد سے)۔‘‘

فائدہ:

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں بیٹوں حضرت اسماعیل واسحاق علیہما السلام پر یہی دم کیا کرتے تھے۔

یہ کلمات پڑھ کر بچوں پر دم کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور آپ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ یہ کلمات بلاشبہ بڑے بابرکت ہیں۔

جسمانی تکلیف دور ہونے کی دعا

عن عثمان بن أبی العاص الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ

شکی إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجعا یجدہ فی جسدہ منذ أسلم فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ضع یدک علی الذی یألم من جسدک وقل بِاسْمِ اللّٰہ ثلاثا وقل سبع مرات أَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ. (رواہ مسلم)

''حضرت عثمان ﷛ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی تکلیف عرض کی کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں جسم کے فلاں حصہ میں درد رہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس جگہ درد ہے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھو اور تین دفعہ بسم اللہ پڑھ کر سات دفعہ کہو ''أَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ '' (میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔)''

فائدہ:

ہر جسمانی تکلیف کے لئے یہ عمل اور تعوذ رسول اللہ ﷺ کا خاص عطیہ ہے اور بہت مجرب ہے۔

چند مخصوص آیات کی فضیلت اور امتیاز

آیۃ الکرسی کی فضیلت

عن أبی بن کعب رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیه وسلم یا أبا المنذر أتدری ای آیة من کتاب اللّٰه معک أعظم قال قلت الله ورسوله أعلم قال یا أبا المنذر أتدری ای آیة من کتاب اللّٰه معک أعظم؟قلت اَللّٰہُ لا إلٰهَ إلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قال فضرب فی صدری وقال لیهنک العلم أبا المنذر. (جامع المسلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان کی کنیت ابوالمنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: اے ابوالمنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں'' آپ ﷺ نے مکرر ارشاد فرمایا: ''اے ابوالمنذر! قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟'' میں نے عرض کیا: اَللّٰہُ لا إلٰهَ إلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ تو آپ نے میرا سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) اور فرمایا اے ابوالمنذر! تجھے یہ علم موافق آئے اور مبارک ہو۔''

فائدہ:

رسول اللہ ﷺ کے سوال کے جواب میں ابی بن کعب نے پہلے عرض کیا کہ اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ وہی سوال فرمایا تو ابی بن کعب نے اپنے علم وفہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو اللّٰہ لا الہ ھو الحی القیوم یعنی آیۃ الکرسی، قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ ﷺ نے غالبًا اس لئے ٹھونکا کہ قلب (جو محل علم ومعرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت قرآنی میں آیۃ الکرسی سب سے زیادہ باعظمت آیت ہے اور اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہ اور صفات کمال اور اس کی شان عالی کی عظمت ورفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ منفرد اور بے مثال ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں

عن ایفع بن عبد الکلاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ ای سورۃ القرآن أعظم قال قل ھو اللّٰہ احد قال فای آیۃ فی القرآن أعظم قال آیۃ الکرسی اللّٰہ لا إلہ إلا ھو الحی القیوم قال فای آیۃ یا نبی اللّٰہ تحب أن تصیبک و امتک قال

خاتمة سورة البقرة فإنها من خزائن رحمة اللّٰه من تحت عرشه أعطاها هذه الأمة لم تترك خيرا من خير الدنيا والاخرة الا اشتملت عليه.

(رواه الدارمی)

''ایفع بن عبدالکلاعی ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول ﷺ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قل ھو اللہ احد۔ اس نے عرض کیا اور آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آیۃ الکرسی ''اللّٰه لا اله الا هو الحي القيوم '' اس نے عرض کیا اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ کی خاص طور سے خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی برکات آپ کو اور آپ کی امت کو پہنچے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے ختم سورہ تک)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ آیتیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرش عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں، یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔''

فائدہ:

قل هو اللّٰه احد اور آية الكرسی کی عظمت اور امتیاز کے بارے میں

اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیات کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ آیتیں، اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص خزائن رحمت میں سے ہیں۔ شروع میں امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون سے لانفرق بین احد من رسله تک ایمان کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد غفرانک ربنا والیک المصیر ''میں ان کوتاہیوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا ہے جو ایمان اور عہد اطاعت کے بعد بھی ہم بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس کے بعد لایکلف اللّٰه نفسا الا وسعها میں کمزور بندوں کو تسلی دی گئی ہے اور اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا جاتا اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جو ان کی حد استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے بعد ''ربنا لاتواخذنا'' سے آخر سورت تک نہایت جامع دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ آیتیں بجائے خود رحمت الٰہی کا خزانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر شناسی اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

عن جبیر بن نفیر ﷺ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم قال: ان اللّٰه ختم سورة البقرة بآیتین أعطیتهما من کنزه الذی تحت العرش فتعلموهن وعلموهن نسائکم فإنها صلاة وقرآن ودعاء. (مسند دارمی)

''جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

نے سورہ بقرہ کو ایسی دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو اس نے اپنے اس خاص
خزانے سے مجھے عطا فرمائی ہیں جو اس کے عرش عظیم کے تحت ہے۔ تم
لوگ ان کو سیکھو اور اپنی خواتین کو سکھاؤ کیونکہ یہ آیتیں سراپا رحمت ہیں اور اللہ
تعالیٰ کے تقرب کا خاص وسیلہ ہیں اور ان میں بڑی جامع دعا ہے۔"

فائدہ:

واضح رہے کہ جبیر بن نفیرؒ جنہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، تابعی ہیں انہوں نے ان صحابی کا ذکر نہیں کیا جن سے ان کو یہ حدیث پہنچی اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔ اسی طرح پہلی حدیث بھی مرسل ہے کیونکہ اس کے روای ایفع بن عبد کلای بھی تابعی ہیں، انہوں نے بھی کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر اس کو روایت کیا ہے۔

عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم الآيتان من اخر سورة البقرة من قرأهما فى ليلة
كفتاه. (جامع البخارى)

"حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا کہ سورہ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں جو کوئی کسی رات میں ان
کو پڑھے گا وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔"

فائدہ:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات کو بقرہ کی یہ آخری آیتیں پڑھ لے گا وہ انشاء اللہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد میں صرف یہی آیتیں پڑھ لے تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہو گا۔ واللہ اعلم

آل عمران کی آخری آیات

عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه قال من قرء آخر آل عمران فی لیلة کتب له قیام لیلة. (مسند دارمی)

''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات کو ال عمران کی آخری آیات پڑھے گا اس کے لئے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا۔''

فائدہ:

آخر ال عمران سے مراد ان فی خلق السموٰات والارض سے ختم سورت تک کی آیات ہیں۔ صحیح روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو سب سے پہلے (وضو کرنے سے بھی پہلے) یہی آیات پڑھتے تھے۔

آل عمران کا یہ آخری رکوع بھی سورہ بقرہ کی آخری رکوع کی طرح نہایت جامع دعا پر مشتمل ہے۔ اور غالباً اس رکوع کی خاص فضیلت کا راز ان دعائیہ آیات میں ہی مضمر ہے۔ کائنات کی تخلیق میں تفکر کرنے والے اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والے بندوں کی زبان سے یہ جامع دعا اس رکوع میں اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقتَ هَذَا بَاطِلًا سُبحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

رَبَّنَا إِنَّکَ مَن تُدخِلِ النَّارَ فَقَد أَخزَيتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

مِن أنصَارٍ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلإِيمَانِ أَن آمِنُوا بِرَبِّكُم فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغفِر لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّر عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الأَبرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخزِنَا يَومَ القِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخلِفُ المِيعَادَ.

''اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کارخانہ ہستی بے مقصد نہیں پیدا کیا، تو اس بات سے پاک اور مقدس ہے کہ کوئی عبث کام کرے (یقیناً اس دنیوی زندگی کے بعد جزا و سزا برحق ہے) سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا، بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک داعی اور منادی کو سنا کہ وہ ایمان کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں اپنے وفادار اور نیکوکار بندوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا اور اے ہمارے رب! ہمیں وہ سب عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی اہل ایمان کے لئے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔''

سورہ ''آل عمران'' کے آخری رکوع کی یہ دعا قرآن مجید کی جامع ترین دعاؤں میں سے ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس رکوع کی خاص فضیلت ان دعائیہ آیات ہی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عثمان غنی ﷜ نے جو یہ فرمایا کہ:

''جو شخص رات کو یہ آیتیں پڑھے اس کے لئے پوری رات کے نوافل کا ثواب لکھا جائے گا۔''

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ حضور ﷺ سے سنے بغیر کوئی صحابی ﷜ اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے، اس لئے حضرت عثمان ﷜ کا یہ ارشاد حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

فائدہ:

امت مسلمہ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کی جو خاص رحمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تھوڑے عمل پر بڑے اجر و ثواب کی بہت سی صورتیں اور بہت سے طریقے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اس امت کو بتلائے گئے ہیں تاکہ جو لوگ اپنے خاص حالات کی وجہ سے بڑے بڑے عمل نہ کر سکیں وہ یہ چھوٹے چھوٹے عمل کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے مستحق ہو سکیں۔

مندرجہ بالا حدیثیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے مخصوص آیتوں کے فضائل بیان فرمائے ہیں یہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ بہت سے بندے جو اپنے خاص حالات کی وجہ سے قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت نہیں

کر سکتے وہ ان مخصوص سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کے ذریعے بڑے اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے قابل ہو جائیں، اس لئے ان حدیثوں کا حق ہے کہ یقین کامل کے ساتھ ان آیات کی تلاوت کا ہم اہتمام کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف وعنایات میں ہمارا بھی حصہ ہو۔ بلاشبہ ہم بڑے محروم ہیں اگر اتنا بھی نہ کر سکیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

اصلاحی دروس

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب

عاصم عبداللہ

Faraz: 0302-2691277